

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

ضروریاتِ دین

اور

اہل قبلہ کی تکفیر

مرتب

محمد نیاز احمد اشرفی مصباحی

شیخ الحدیث مدرسہ امین تعلیم الاسلام غازی پور

سابق استاذ جامع اشرف، درگاہ کچھوچھہ شریف

ناشر اہل سنت ریسرچ سینٹر ممبئی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب: ضروریات دین اور اہل قبلہ کی تکفیر

تالیف: مفتی محمد نیاز احمد اشرفی جامع مصباحی

تقدیم: حضرت مولانا سید محمد قمر عالم اشرفی جامع، ناظم تعلیمات جامع اشرف

نظر ثانی: حضرت مفتی رضاء الحق صاحب، حضرت مفتی محمد شہاب الدین صاحب

حضرت مفتی محمد معین الدین صاحب، مولانا سید محمد قمر عالم اشرفی جامع

پروف ریڈنگ و کمپوزنگ: مفتی زین العابدین صاحب اشرفی، محمد وقار اشرفی

ترتیب کار: مفتی زین العابدین صاحب اشرفی

تعداد: گیارہ سو

صفحات: 112

سن طباعت: ۲۰۱۷ء مطابق ۱۴۳۸ھ

بموقع: عرس سرکار گلاں

موبائل: 9889757557

ای میل: niyazsara5@gmail.com



فہرست کتاب

نمبر	مضامین	صفحہ
۱	کلمات دعا، محمود المشائخ، قائد ملت حضرت سید محمد محمود اشرف اشرفی جیلانی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ اشرفیہ، کچھوچھہ مقدسہ	۷
۲	کلمات تبریک، حضرت علامہ مفتی معین الدین اشرفی، دارالعلوم بہار شاہ	۸
۳	تقریظ جلیل، عمدۃ المحققین مفتی شہاب الدین اشرفی، شیخ الحدیث جامع اشرف	۱۰
۴	تقدیم، حضرت علامہ سید محمد قمر عالم صاحب اشرفی، ناظم تعلیمات جامع اشرف	۱۳
۵	احوال واقعی - از مولف	۱۸
۶	ضروریات دین اور اس کے احکام	۳۲
۷	قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة کا مفہوم	۳۴
۸	شرائط ضروریات دین	۳۴
۹	ضروریات دین کے احکام	۳۶
۱۰	ضروریات دین کی تفصیل	۳۷
۱۱	ضروریات دین کی شرط مفقود ہونے کا حکم	۴۱
۱۲	ضروریات دین میں تاویل غیر مقبول	۴۳
۱۳	خلاصہ بحث	۴۵
۱۴	ضروریات اہل سنت کی تعریف	۴۷
۱۵	ضروریات اہل سنت کی تفصیل	۴۷
۱۶	ضروریات اہل سنت کا حکم	۵۱
۱۷	اہل قبلہ کی تعریف	۵۲

۵۳	مسئلہ تکفیر اہل قبلہ	۱۸
۵۶	اہل قبلہ کی تکفیر کے متعلق متکلمین کا نظریہ	۱۸
۵۸	کثرت تکفیر بدعتی کی علامت	۱۹
۵۸	حکم تکفیر پر مرتب ہونے والے اثرات	۲۰
۶۰	تکفیر مسلم کے قواعد و اصول	۲۱
۶۶	موانع تکفیر	۲۲
۶۹	تکفیر معین کے شرائط	۲۳
۷۱	لزوم کفر والتزام کفر	۲۴
۷۳	متأولین کی تکفیر کا مسئلہ	۲۵
۷۹	معتزلہ کے اقوال	۲۶
۸۰	خوارج کے اقوال	۲۷
۸۱	معتزلہ، خوارج اور گمراہ فرقوں کا حکم	۲۸
۸۶	اختلافی مسائل کی نظیر	۲۹
۸۸	حدیث افتراق امت	۳۰
۸۹	اسنادی حیثیت	۳۱
۹۰	افتراق کا معنی و مفہوم	۳۲
۹۱	امت سے مراد (دعوت، اجابت)	۳۳
۹۴	عدو ثلاث و سبعین پر شبہ و جواب	۳۴
۹۷	کہانی النار کی تشریح	۳۵
۱۰۰	باطل فرقے	۳۶
۱۰۱	کفریہ کلمات	۳۷
۱۱۰	مآخذ و مراجع	۳۸

کلماتِ دعا

محمود المثنیٰ، قائدِ ملت حضرت علامہ سید شاہ ابوالخیر محمد اشرف اشرفی جیلانی دامت برکاتہم العالیہ
سجادہ نشین آستانہ عالیہ کچھوچھہ مقدسہ و سرپرستِ اعلیٰ جامع اشرف

باسمہ تعالیٰ و تقدس

مجھے یہ بتاتے ہوئے بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ زیرِ نظر کتاب ”ضروریاتِ دین اور اہل قبلہ کی تکفیر“ عزیز القدر مولانا مفتی نیاز احمد اشرفی مصباحی نے ترتیب دی ہے۔ کتاب کا انداز بیان نہایت شستہ و سلیس، جگہ جگہ قرآن کی آیات و احادیث سے مبرہن اور مستند علما و فقہاء کی عبارتوں سے مرصع ہے۔ یہ کتاب ایمان و کفر کے متعلق بڑی معلومات افزا اور عصرِ حاضر کے حساس مسئلہ ”مسئلہ تکفیر“ کے اصول و قواعد کی جانب غمازی کرنے والی ہے، یہ مسئلہ ایسا ہے جس میں آج کی عوام و خواص افراط و تفریط کی شکار ہے۔ بلاشبہ مذکورہ کتاب عوام و علما سب کے لیے نفع بخش ہے۔ عوام اپنی لاعلمی کی وجہ سے آپسی بول چال میں بہت کفریہ کلمات کا استعمال کرتی ہے، اس کتاب میں اس کی بھی نشاندہی بڑے اچھے انداز میں کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف، معاونین اور ناشرین کو جزائے خیر عطا کرے اور قبولِ عام و خاص فرمائے۔

فقیر اشرفی گدائے جیلانی
سید محمد محمود اشرف اشرفی جیلانی غفرلہ
بتاریخ: ۳ جمادی الآخرہ ۱۴۳۸ھ

کلماتِ تبریک

حضرت علامہ مفتی محمد معین الدین صاحب قبلہ اشرفی مصباحی، استاذ دارالعلوم بہار شاہ فیض آباد

باسمہ تعالیٰ و تقدس

دنیا کی تمام دولتوں میں مسلمانوں کے نزدیک سب سے اہم اور قیمتی دولت ایمان ہے کہ ایمان ہی کی صحت و بقا پر موت و قبر و حشر اور آخرت کی کامیابی کا مدار ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ سچا ایمان رکھے اور اپنے ایمان کی حفاظت کا سامان مہیا کرے۔ یاد رہے کہ ضروریاتِ دین کو صدق دل سے ماننے کا نام ایمان ہے مگر ضروریاتِ دین کیا کیا ہیں؟ اس کی تفصیلات فقہ و فتاویٰ اور علم کلام کی کتابوں میں ملتی ہیں جہاں ہر شخص کی رسائی نہیں ہوتی۔ پھر ضروریاتِ دین جاننے اور ماننے کے بعد بھی کچھ لوگ جانے، ان جانے یا شعوری، غیر شعوری طور پر ایسے فقرے بول جاتے ہیں جس سے بولنے والے کے دین و ایمان میں خلل پیدا ہو جاتا ہے اور بولنے والے کو احساس تک نہیں ہوتا ہے کہ ہم نے کفر بکا ہے حالانکہ اس کا ایمان جاچکا ہوتا ہے۔ جیسے رمضان شریف میں کسی بے روزہ دار دولت مند کو دیکھا کہ روزہ نہیں رکھتا، کسی نے اس سے کہا روزہ کیوں نہیں رکھتا؟ اس نے کہا، مجھے کھانے کو نہیں؟ جو روزہ رکھوں۔ ایک آدمی جماعت سے نماز نہیں پڑھتا، کسی نے پڑھنے کو کہا، اس نے کہا، تنہا پڑھوں گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان الصلوٰۃ تنہی“ فرماتا ہے۔

اس طرح ہزاروں کلماتِ کفریہ ہیں جنہیں گاہے بگاہے کچھ لوگ بول جاتے ہیں جب کہ ان باتوں سے اجتناب لازم اور زبان سے نکل جائے تو توبہ فرض ہے تاکہ ایمان صحیح و سالم رہے۔

عزیز سعید مولانا مفتی محمد نیاز احمد اشرفی نے عوامِ مسلمین کو کلماتِ کفریہ کے تلفظ سے بچانے اور

ضروریات دین کو صحیح صحیح جاننے ماننے کے لیے کتاب ہذا کو ترتیب دے کر ایک اہم دینی کارنامہ انجام دیا ہے۔ ایسی کتاب کی عوام و خواص کو سخت ضرورت تھی، امید ہے کہ یہ کتاب قبولیت عام کا درجہ حاصل کرے گی۔ عزیز موصوف پہلے بھی کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جو یورطبع سے آراستہ ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان کتابوں کی تصنیف و تالیف میں جہاں عزیز موصوف کی محنت و کاوش، جہد مسلسل، کثرت مطالعہ اور جاں سوزی شامل ہے وہیں ”السید محمود اشرف ریسرچ سینٹر“ نے اس کی نشر و اشاعت کر کے دینی نشریات میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

”السید محمود اشرف ریسرچ سینٹر“ قائد ملت حضرت علامہ سید شاہ محمود اشرف اشرفی سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف کا قائم کردہ دینی نشریاتی ادارہ ہے۔ حضرت قائد ملت نے دینی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے لیے مجبئی اور مالی گاؤں وغیرہ مقامات پر اس ادارہ کی متعدد شاخیں قائم فرمائی ہیں، جن میں اہل سنت ریسرچ سینٹر مجبئی ان میں سب نمایاں اور ممتاز ترین خدمات انجام دے رہا ہے اور جہاں سے اب تک سیکڑوں کتابیں تالیف ہوئیں اور چھپ کر منظر عام پر آئیں۔ کتاب ہذا اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

دعا ہے کہ مولائے کریم السید محمود اشرف سینٹر اور اس کے تمام برانچ کو روز بروز ترقی عطا فرمائے اور اس میں کام کرنے والے علما و مصنفین اور بانی سینٹر قائد ملت مسند نشین جادۃ اشرف سمنانی حضرت مولانا سید محمود اشرف کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

فقط

محمد معین الدین اشرفی مصباحی

دارالعلوم بہار شاہ، فیض آباد

۲ جمادی الآخرہ ۱۴۳۸ھ - ۲ مارچ ۲۰۱۷ء

تقریظ جلیل

عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی محمد شہاب الدین اشرفی صاحب قبلہ
شیخ الحدیث و صدر شعبۂ افتاء جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف ضلع امبید کرنگریو پی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

زیر نظر کتاب میں مفتی نیاز احمد اشرفی مصباحی نے اسلام و کفر کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ان کفریہ کلمات اور ان کے احکام کو بیان کیا ہے جو جاہل یا معمولی پڑھے لکھے مسلمان کی زبان سے نکل جاتے ہیں بلکہ یہ کلمات غیر اسلامی افکار و خیالات کے غماز ہیں۔ پس یہ کتاب اسلام و کفر کے سمجھنے میں معاون ہے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے لیے بھی رہنمائی ہے جو بات بات پر مسلمانوں پر کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں آج کل تو ان لوگوں کے کافر و ہمیشہ جہنمی ہونے پر دستخطی تحریک چلائی جا رہی ہے جن کے انتقال کو ایک دراز عرصہ گزر چکا ہے، حالانکہ دستخطی مہم چلانے والوں کو یہ یقین نہیں ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے یا ایمان پر۔ بعض لوگ تو کسی عالم کے کفری فتوے کو اپنی پشت پناہ بنا کر ہر مسلمان سے ان لوگوں کے کافر ہونے پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، جن کا انتقال اس عالم کے کفری فتوے کے بعد ہوا ہے، حالانکہ ان لوگوں کو ان کے کفر پر خاتمہ ہونے کا یقین نہیں ہے۔ بخاری شریف کی شرح میں امام غزالی وغیرہ کا قول مذکور ہے:

”قال الغزالی وغيره لا يجوز لعن اعيان الكفار حيا او ميتا الا من علمنا من النصوص انه

مات كافرا كابي لهب ويجوز لعن طائفتهم كقولك لعن الله الكفار“

”امام غزالی وغیرہ نے کہا: کافروں کو متعین کر کے لعن و طعن کرنا جائز نہیں ہے چاہے وہ زندہ ہوں یا مر چکے ہوں مگر وہ کافر جس کے متعلق کفر پر انتقال کرنے کا علم نص شرعی سے ہو جائے جیسے ابولہب اور کافروں کی جماعت کو (بغیر ان کی تعین و نام لیے) لعن و طعن کرنا جائز ہے جیسے تمہارا یہ کہنا کہ اللہ

تعالیٰ کی لعنت کافروں پر ہو۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب تک کسی کافر کے کفر پر ہونے کا یقین نص شرعی سے نہ ہو جائے، اس کے کافر ہونے پر ایمان لانا واجب نہیں ہے چاہے آدھی دنیا اس کے کسی قول کے کفریہ ہونے کا فتویٰ دے چکی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرعون کے کفر کا قول نہیں کیا اس لیے کہ ان کے نزدیک فرعون کا کافر ہونے کی حالت میں مرنا نص سے ثابت نہیں ہے اگرچہ تقریباً نوے فیصد مسلمان آج تک فرعون کو کافر قرار دیتے آرہے ہیں۔ اس لیے شارع کی نص پر ایمان لانا واجب ہے نہ کہ کسی مجتہد و عالم کے قول پر ایمان لانا واجب ہے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ شارع کے علاوہ ہر انسان کے فتویٰ اور قول میں غلطی کا احتمال ہے جب تک کہ اس پر اجماع قطعی یقینی نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن عابدین شامی نے شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی کے ایمان فرعون کے قول کو ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرنے کے باوجود غلط قرار دیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی کا شیخ اکبر کے قول کو غلط قرار دینا شیخ اکبر کی گستاخی کرنا نہیں قرار دیا جائے گا جیسا کہ آج کل کے علامہ وغیرہ کا موقف بن چکا ہے یہ لوگ بعض عالم کو شارع کا درجہ دے کر خود گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں اور جو لوگ اس عالم کو شارع نہیں مانتے ہیں ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔

شامی جلد ششم میں ہے:

”وَلِذَا أَجْمَعُوا عَلَى كُفْرِ فِرْعَوْنَ كَمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ فِي سُورَةِ يُنُوسَ وَإِنْ خَالَفَ فِي ذَلِكَ الْإِمَامُ الْعَارِفُ الْمُحَقِّقُ سَيِّدِي مُحْيِي الدِّينِ بْنُ عَرَبٍ فِي كِتَابِهِ الْفُتُوْحَاتِ. قَالَ الْعَلَامَةُ ابْنُ حَجَرٍ فِي الزَّوْاجِرِ: فَإِنَّا وَإِنْ كُنَّا نَعْتَقِدُ جَلَالَتهُ قَائِلِهِ فَهُوَ مَزْدُودٌ، فَإِنَّ الْعِصْمَةَ لَيْسَتْ إِلَّا لِلْأَنْبِيَاءِ مَعَ أَنَّهُ نَقَلَ عَنْ بَعْضِ كُتُبِهِ أَنَّهُ صَرَخَ فِيهَا بِأَنَّ فِرْعَوْنَ مَعَ هَامَانَ وَقَارُونَ فِي النَّارِ“

اس وجہ سے عام علمائے کرام کافر فرعون کے کفر پر اجماع ہے جیسا کہ امام ترمذی نے سورۃ یونس کی تفسیر

میں اس کو روایت کیا ہے اگرچہ اس مسئلے میں امام عارف محقق سیدی محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحات میں مخالفت کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے الزواجر میں لکھا ہے کہ اگرچہ ہم ان کی جلالت شان کے معتقد ہیں لیکن ان کا قول مردود ہے اس لیے کہ عصمت صرف انبیائے کرام کے لیے ہے اس کے باوجود ان کی بعض کتابوں میں منقول ہے کہ انھوں نے اس میں ہامان، قارون کے ساتھ فرعون کے جہنم میں ہونے کو صراحت سے بیان کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان و کفر کا مسئلہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ ہر کس و ناکس کو اس میں پڑنا روا نہیں ہے۔ مفتی نیاز احمد صاحب نے اس کتاب میں ایمان اور کفر کی باریکیوں کو بیان کر کے دورِ حاضر میں مجھ جیسے مولوی کے لیے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مولانا نیاز احمد کو ان کی اس گراں قدر کوشش پر بہترین جزا عطا فرمائے اور ان کے علم میں برکت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد شہاب الدین اشرفی
شیخ الحدیث و صدر شعبۂ افتاء جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف ضلع امبیڈ کرنگریوپی
یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۳۸ھ، یکم مارچ ۲۰۱۷ء

ملنے کے پتے

السید محمود اشرف دارالتحقیق والتصنیف، جامع اشرف کچھوچھہ شریف، امبیڈ کرنگریوپی۔

موبائل: 8423443475

اہل سنت ریسرچ سینٹر، جوگیشوری، ممبئی۔ موبائل: 9987517752

تقدیم و تبصرہ

حضرت علامہ سید محمد قمر عالم اشرفی جامعی، ناظم تعلیمات جامع اشرف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين
زیر نظر کتاب کے مؤلف، مفتی محمد نیاز احمد اشرفی جامعی مصباحی ہیں۔ آل موصوف میرے کلاس
ساتھی اور بڑے گہرے دوست ہیں۔ وہ ایک اچھے حافظ، زبردست عالم، باوقار فاضل اور لائق و فائق
مفتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے انھیں گونا گوں خوبیوں سے نوازا ہے۔ غضب کا حافظ، کمال درجہ کی
ذکاوت، کشادہ طبیعت، فراخ دل، بالغ نظر، معاملہ فہم، انتہائی حساس، تعمیری سوچ کے مالک،
مثبت فکر و خیال کے حامل اور حق بے باکی سے بولنے والے ہیں۔

جامع اشرف درگاہ کچھوچھ شریف میں تقریباً چار سال تدریسی خدمات انجام دیں اور اس مختصر
سی مدت میں اطمینان بخش تدریسات اور اپنی بعض تحریکات اور مفید و مثبت سرگرمیوں کی بنا پر وہ
مقبولیت و اعتماد حاصل کیا جو اور لوگوں کو ایک طویل العمر مدت گزار دینے کے بعد بھی حاصل نہیں
ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی اس قیمتی و گراں مایہ کتاب پر ”تقدیم“ کے لیے مجھے ”ہیچمدان“ کا انتخاب
کیا ہے جو یقیناً ان کی عالی ظرفی و کشادہ دلی کا خاموش اعلان ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے کسی بھی جرم کا انتساب کسی شخص کی جانب اس وقت تک درست نہیں جب
تک اس کے ثبوت پر ایسے دلائل و شواہد موجود نہ ہوں جو مثل آفتاب روشن و عیاں ہوں خاص کر وہ
جرائم جن پر حدود و قصاص جاری ہوتے ہیں، اگر ان کے ثبوت میں تھوڑا سا شبہ پیدا ہو جائے تو حدود
و قصاص کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”علی مثلہا فاشہد
وإلا فذع“ ”اگر مانند آفتاب ہو تو گواہی دے ورنہ خاموشی اختیار کر“ (شعب الایمان للبیہقی) ایک
حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ادْرءُوا الْخُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ“ ”شہادت کی وجہ سے

حدیں جاری نہ کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی)

اسلام میں جرائم کے باب میں کفر و شرک ایسے گناہ ہیں جو اکبر الکبائر اور اخبث الجنات ہیں، اس کی وجہ سے آدمی ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے، اس کے سارے حسنات غارت ہو جاتے ہیں، اگر وہ اپنے اس گناہ سے توبہ و رجوع نہ کرے تو مباح الدم اور واجب القتل ہو جاتا ہے۔ لہذا کفر و شرک ایسے جرم نہیں کہ آدمی جس پر چاہے چپاں کر دے، جسے چاہے کافر بنادے اور جسے چاہے مشرک قرار دے دے، بلکہ فقہ اسلامی میں اس جرم کے ثبوت کے لیے کچھ ابعاد و شرائط ہیں کہ جب تک وہ نہ پائے جائیں کسی پر کفر کی تہمت لگانا سخت گناہ اور اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔

فاضل مصنف نے ”مسئلہ تکفیر مسلم“ کے ذیل میں تکفیر کے اصولی دفعات اور اس کے بے شمار جزئیات بہت تفصیل سے بیان کیے ہیں اور کتاب وسنت کے نصوص اور بے شمار علمائے سلف کے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اس مسئلہ میں کف و احتیاط اور گریز و احتراز اصل ہے جو اس امر کا متقاضی ہے کہ کسی بھی مسلمان کو کافر قرار دینے میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے، کیوں کہ اس میں ذرا سی بے احتیاطی و جلد روی ”کافر قرار دینے والے“ کو گناہ کبیرہ اور جرم عظیم کا مرتکب بنا سکتی ہے اور اس کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں انتہائی غضب کا مستحق ہو سکتے ہیں۔

فاضل مصنف نے اس ضمن میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے، بعینہ اس طرح کا واقعہ ایک بار ایک صحابی کے ساتھ بھی پیش آتا ہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ فرماتے ہیں کہ ”کیا تو نے اس کے دل کو نہ چیرا، تا کہ جانتا جو اس کے دل میں ہے“ تو وہ صحابی کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا واقعی اگر میں اس کے دل کو چیرتا تو جان لیتا کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے ہیں اور کوئی جواب نہ دیتے ہیں، کچھ روز بعد اس صحابی کی وفات ہو جاتی ہے اور انھیں دفن کر دیا جاتا ہے، بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی لاش قبر کے باہر پڑی ہوئی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید کسی دشمن نے شرارت کی ہوگی، دوبارہ دفن کرتے ہیں اور کچھ بجول کو نگرانی پر مامور کر دیتے ہیں، لیکن ان کی لاش پھر قبر سے باہر آ جاتی ہے، لوگ

سمجھتے ہیں کہ شاید ان بچوں نے ایسا کیا ہوگا۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تیسری بار انھیں دفن کیا اور خودنگرانی کرنے لگے لیکن ابھی ذرا دیر نہ ہوئی کہ قبر نے ان کی لاش زمین پر ڈال دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: ”زمین تو بڑے بڑے بد بختوں کو قبول کر لیتی ہے، مگر اللہ تمہیں کلمہ طیبہ کی حرمت و عظمت دکھانا چاہتا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ)

فاضل مصنف نے تکفیر کے جو اصولی دفعات بیان کیے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کو کافر قرار دینے کی چار بنیادیں ہو سکتی ہیں:

- (۱) ضروریات دینیہ کا انکار صریح، مثلاً شرعاً اجساد کے بارے میں یہ کہنا کہ میں اسے نہیں مانتا ہوں۔
- (۲) شعائر دینیہ کا استخفاف، مثلاً کوئی شخص قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے اسے کوڑے کے ڈھیر میں ڈال دے۔ (رد المحتار)
- (۳) غیر مسلمین کے مذہبی شعار کی تعظیم کرنا مثلاً کافروں کے تہواروں کی تعظیم کرنا۔ (رد المحتار)
- (۴) بقصد تشبیہ غیر مسلمین کے مذہبی شعار کو اختیار کرنا مثلاً زُنار باندھنا یا قشقہ وغیرہ لگانا اس مقصد سے کہ ہم مشرکین جیسے نظر آئیں، کفر ہے۔ (مجمع الانہر) رہا بعض بزرگوں سے قشقہ وغیرہ لگانے کا ثبوت تو یہ محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تھا۔

فاضل مصنف کی کتاب قدیم طرز نگارش سے ہٹ کر تحقیق و تدقیق اور افہام و تفہیم کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ جا بجا قرآنی آیات سے استشہاد، احادیث مبارکہ سے استناد اور فقہاء و متکلمین کی عبارات سے استدلال کے جلوے نظر آتے ہیں، انھوں نے اپنے موضوع پر متقدمین و متاخرین ہر ایک سے استفادہ کیا ہے اور تقریباً دس کی دہائیوں میں کتابوں کے حوالہ جات جمع کیے ہیں۔

فاضل مصنف نے کتاب کے ابتدائیہ میں علمائے اہل سنت و جماعت کے باہمی افتراق و جدال اور موجودہ انتشار و ناچاقی کو لے کر اپنے جس کرب کا اظہار کیا ہے، وہ یقیناً امت مسلمہ کے ہر فرد کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ قوم جس کی قوت، وحدت و یگانگت، جس کی شناخت اخوت و بھائی چارہ اور جس کا حسن کشادہ ظرفی و فراخ دلی ہے، وہ قوم اس قدر جھگڑا لوار اس حال میں منتشر ہو رہی ہے گویا کسی مضبوط و مستحکم عمارت کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے اس طرح الگ کی جا رہی ہو کہ

دوبارہ ان سے کوئی عمارت کھڑی نہ کی جاسکے۔

فاضل مصنف نے جس اخلاص کے ساتھ اتحاد و ہم آہنگی کی دعوت دی ہے، اسے فراخ دلی کے ساتھ قبول کرنا چاہیے اور اکابر علمائے امت کو پوری للہیت کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے کہ افتراق و انتشار اور انکار و عدم تسلیم کا جو ننگ جو مسلسل ہمارے پیروں سے خون چوس رہا ہے، جس کی وجہ سے ہم روز بروز مضحل ہوئے جا رہے ہیں اور آج کی نسل نو پر جس کے بڑے مضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور جس کے باعث قوم مسلم کا عوام طبقہ علما سے بیزار و بدظن ہو کر کلیت پسندی بلکہ لادینیت کی جانب جا رہا ہے، آخر اس کا علاج کیا ہو اور اس کے لیے کون سی دوا تجویز کی جائے؟

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی انتہائی مفید اور قابل دید ہے کہ فاضل مصنف نے ضروریاتِ دین اور ضروریاتِ اہل سنت سے تعلق رکھنے والے تقریباً تمام امور کو قلم بند کیا ہے۔ بلکہ آج کے زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ دین کے بنیادی عقائد کی تفصیلی یا اجمالی معرفت تو کجا! اس کے الف و باور نہ تھا، اس سے بھی کچھ آگاہ نہیں ہوتے، جس سے کتاب کی اہمیت اور دوبالا ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کہ بہت سے نو مشق مفتیانِ کرام جو ضروریاتِ دین و ضروریاتِ اہل سنت کے حکم میں فرق نہیں کرتے ہیں اور عموماً اس میں ٹھوکر کھاتے ہیں، فاضل مصنف نے حکم و اثر کے اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق کو خوب واضح کیا ہے کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کفر ہے اور ضروریاتِ اہل سنت میں سے کسی کا انکار فرق و ضلالت اور بدعت و گمراہی ہے۔

ایک بات ہر قاری کتاب کو اپنے ذہن و دماغ میں رکھنی چاہیے کہ مسئلہ تکفیر میں اربابِ فتویٰ کو اس قدر محتاط و پابند بنانے کے ہرگز یہ معنی نہیں ہوتے کہ آدمی اپنی زبان کو شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دے اور کفریہ الفاظ یا ایسے کلمات اپنی زبان سے نکالتا پھرے جن میں ایہامِ کفر ہو اور پھر اپنی براءت کے لیے تاویل کے ہزار دروازے ڈھونڈ نکالے اور یہ کہہ کر فتوؤں کی دھجیاں بکھیرے کہ ”ان مقتیوں کا کام ہی کافر بنانا“

حاشا وکلاً! یہ روش ایک صاحبِ ایمان کے لیے کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے، بلکہ ایسے موقع پر تو چاہیے کہ قبل اس کے کہ اس کے خلاف فتوے حاصل کیے جائیں، وہ ہزار بار اللہ کی بارگاہ میں توبہ و رجوع کرے، اس کی جناب میں روئے گڑا گڑائے اور تجدیدِ ایمان کرے۔ یوسف بن اسباط (وفات: ۱۹۵ھ)

کہتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت سفیان ثوری کے پاس ٹھہرا، دیکھا کہ آپ نے پوری رات رو کر گزاری، فجر کے وقت میں نے دریافت کیا، اے سفیان! کیا آپ اپنے گناہوں پر رورہے ہیں، انھوں نے زمین سے ایک تیکا اٹھایا اور فرمایا: ”یوسف! اللہ کی بارگاہ میں میرے گناہ اس تنکے سے زیادہ جینیت نہیں رکھتے ہیں، میں اس لیے رورہا ہوں کہ کہیں میرا ایمان تو سلب نہیں ہوا ہے۔“ (نبراس) ایک مومن کے خزانہ اعمال میں ایمان سے بڑھ کر کوئی قیمتی شے نہیں ہے اور جو چیز قیمتی ہوتی ہے، اس کی حفاظت اتنی زیادہ کی جاتی ہے اور خبردار! علمائے کرام جو رب تبارک و تعالیٰ کے امین، انبیاء کے وارثین اور اسلامی احکام کے محافظ و پاسدار ہیں، ان کے تعلق سے ہرگز اپنی ذات کو کسی بدگمانی میں مبتلا نہ کرے اور عبد الرحمان شیخی زادہ (وفات: ۱۰۷۸ھ) کی یہ وصیت اچھی طرح گرہ کر لے:

”و حاشا أن يلعب أمناء الله تعالى أعني علماء الأحكام بالحلال والحرام والكفر والإسلام بل لا يقولون إلا الحق الثابت عند شريعة سيدنا محمد - عليه الصلاة والسلام - عصمني الله وإياكم عن زلل عن اللسان وتكلم كلمة الكفر بالخطأ والنسيان آمين بحرمة سيد المرسلين صلاة الله عليه وعليهم أجمعين“ (مجمع الانهر)

میرے علم میں فاضل مصنف کی شاید یہ دوسری کتاب ہے، اس سے پہلے ان کی کتاب، مجموعہ جہل حدیث بنام ”مختار الاربعمین“ آسان فہم ترجمہ اور فاضلانہ تشریح کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے اور عوام و خواص سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ میرے مخلص دوست کی اس کاوش کو قبول فرمائے، اس کی قبولیت کو عام، اس کے اثرات کو دلوں میں جاگزیں اور ہمارے قلوب کو قبول حق کے لیے کشادہ فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بحرمتہ سید المرسلین۔

بندہ عاجز

محمد قمر عالم اشرفی جامعہ

خادم التدریس جامع اشرف درگاہ کچھوچھو مقدسہ

بتاریخ: ۲ جمادی الآخرہ ۱۴۳۸ھ

احوالِ واقعی - از مؤلف

اللہ رب العزت نے قرآنِ مقدس میں نبیِ رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”سِرَاجاً مُنِيرًا“ کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: {وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِذَنبِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا} (الاحزاب: ۴۶) اور دوسری طرف سورج کو بھی اس وصف سے متصف کیا {وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا} (الفرقان: ۶۱) اس مماثلت اور تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کی دعوت بھی اس آفتابِ مادی کی طرح ایک روحانی آفتاب ہے۔ جیسے سورج کی شعائیں ہر شے و مکان پر بلا امتیاز پڑتی اور اس کو روشن کرتی ہیں۔ اسی طرح آفتابِ نبوت کی کرنیں بھی اگر چہ فاران کی چوٹی سے نمودار ہوئیں، لیکن اس کی شعائیں بلا کسی تفریق کے ہر اسود و ابیض، عربی و عجمی پر عام ہیں۔ لیکن انسان کی حرماں نصیبی یہ تھی کہ اس نے رشتہِ اخوت و مودت کو بھلا کر اللہ کی زمین کو ذات و برادری، رنگ و نسل اور سرحدوں کی بنیاد پر تقسیم کر دیا۔ اور روئے زمین کو باہمی اختلافات و نزاعات کا گہوارہ بنا دیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں وطن و مقام اور رنگ و نسل کی تفریق، تعارف کے ذریعے اور طریقے ہیں، اصل رشتہ تو بندگی کا ہے جو بندے کو اس کے پروردگار سے ملاتا ہے۔ پھر اس کے بندے کو بھی آپس میں ایک ہونا چاہیے۔ اگرچہ زمین کے دور دراز گوشوں اور رنگ و نسل کی تفریقوں نے ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔ دنیا کی تمام قومیں اللہ کی بنائی ہوئی اس زمین کے مکین ہیں۔ لیکن شیطان رجم نے تفرقہ اندازی سے ان کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جب کہ اسلام کی عالمگیر دعوتِ اخوت و وحدت نے دور دراز کے فاصلوں کو یکلخت ختم کر دیا۔ دعوتِ اسلام کی ابتدا تو وادیِ مکہ سے ہوئی، لیکن آن واحد میں قرطبہ اور ایران کے درو دیوار سے صدائے لا الہ الا اللہ کی بازگشت گونجنے لگی، خون کے پیاسے، جان و مال، عزت و آبرو کے محافظ بن گئے، درد دینے والے ایک دوسرے کے میٹھا ہو گئے، سیکڑوں برس کی نفرت و عداوت، رافت و رحمت سے بدل گئی۔ قرآنِ مقدس کی یہ آیت کریمہ اس مفہوم کی رہنمائی کر رہی ہے {وَإِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ

فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا} (سورہ آل عمران: ۱۰۳) اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں
بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے اسی
دعوت وحدت میں درحقیقت اسلام کے عروج کا راز پنہاں ہے۔

مانگے جو گھر کی خیر تو میر چمن بھی مانگ
ممکن نہیں چمن نہ رہے آشیاں رہے

یہ وہ تربیت اور جماعت سازی تھی، جسے دیکھ کر مسلمانوں کا بدترین دشمن ایرانی فوج کا چیف
کمانڈر رستم نے قادیسیہ کے میدان میں کہا:

”كان رستم اذ ارأى المسلمين يجتمعون للصلاة يقول أكل عمر كبدي يعلم الكلاب
الأدب“ (تاریخ ابن خلدون: ۱۹۰/۱)

”رستم نے جب نماز میں مسلمانوں کی صف بندی دیکھی تو کہا عمر نے میرے کلیجے کو چھنی کر دیا۔ یہ
وحشی درندے کو آداب زندگی سکھا رہا ہے۔“

اسی اتحاد کی تاکید و نصیحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خطبہ میں فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن
وسنت میں متعدد جگہ اس کی تاکید کی گئی ہے۔

ارشاد الہی ہے:

{وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا} (سورہ آل عمران: ۱۰۳)

”اے مومنو! قرآن اور دین اسلام کو پوری اجتماعیت کے ساتھ تھامے رہو اور دین میں گروہ بندی نہ کرو۔“
اللہ ہی کی راہ پر چلو اس کے علاوہ جتنے راستے تمہیں ملیں گے، وہ شیطانی و طاغوتی ہوں گے۔
اسی لیے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

{إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا

كَانُوا يَفْعَلُونَ} (سورہ انعام: ۱۶۰)

”وہ جنہوں نے اپنے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہو گئے اے محبوب تمہیں ان سے کوئی علاقہ نہیں ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہ انہیں بتادے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔“

اس آیت نے بھی صاف واضح کر دیا کہ جو لوگ گروہ بندی کے عمل میں مصروف رہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

{وَلَا تَنَازَعُوا فَعَلْتُمْ شُلُوًّا وَتَذَهَبَ رِيحُكُمْ} (سورہ انفال: ۴۶)

”آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری شوکت و طاقت ختم ہو جائے گی۔“

فرمان نبوی ”الکفر ملۃ واحده“ کے بموجب تمام غیر مسلم قومیں اعدائے اسلام ہیں۔ آج ان سے مقابلہ آرائی کے لیے طاقت و قوت اور آپسی اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے۔ آپس میں جھگڑ کر کمزور ہو جاؤ گے، تو بزدلی اور ناکامی تمہارا مقدر بن جائے گی اور تمہاری طاقت و قوت، رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔ بلکہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اگر کسی دو فرد قبیلہ یا خاندان میں آپسی تنازع ہو جائے، تو تمہیں چاہیے کہ تم ان کے درمیان صلح کے لیے ثالث بن جاؤ۔ اگر تم ایسا کرتے ہو تو یقیناً اللہ تم پر رحم کرے گا۔

ارشادِ ربانی ہے:

{إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} (سورہ حجرات: ۱۰)

”تمام مومنین بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ تم پر رحمت ہو۔“

مومن کے تعلقات کو بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد

بعضه بعضا وشبك أصابعه“ (بخاری: ۱/۱۰۳)

”دو مومن آپس میں دیوار کی مانند ہیں، ان کا اتحاد ایک دوسرے کو طاقت فراہم کرتا ہے، جیسے دیوار کی ہر اینٹ ایک دوسرے کو طاقت دیتی ہے۔“

ایک مقام پر تو آپ نے یہاں تک فرمایا کہ جو شخص ملت کی شیرازہ بندی میں شکاف لگانا چاہتا ہو اور ملت کے افتراق و انتشار کا سبب وداعی ہو، تو ایسے شخص کو فوراً قتل کر دو۔

ارشادِ نبوی ہے:

”مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يَرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يَفْرُقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ“ (مسلم، کتاب الامارہ، باب حکم من فرق امر المسلمین: ۱۳۸۰/۳)

”جو تمہارے پاس آئے اس حال میں کہ تمہارا معاملہ کسی ایک شخص پر جمع ہو، وہ تمہارا شیرازہ بکھیرنا اور تمہاری جمعیت کو پارا پارہ کرنا چاہتا ہو تو ایسے شخص کو قتل کر دو۔“

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد و اتفاق، اخوت و بھائی چارگی کا تذکرہ کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کو ایک جسم قرار دیا کہ جب جسم میں کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے، تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔ اور جس طرح ایک عضو دوسرے کو تقویت بخشتا ہے، یوں ہی تمام مسلمان ایک دوسرے کی مضبوطی کا سبب ہیں۔ یعنی ہم اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہیں کہ ایک مسلم کو کاٹنا چھبے اور اس کے درد کو ہم دل میں محسوس نہ کریں۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عَضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَى“ (مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب: ۱۹۹۹/۴)

”مؤمنوں کی مثال رحمت و رافت اور نرمی میں جسم کی مانند ہے کہ جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔“

بتلائے درد کوئی عضو ہوروتی ہے آنکھ
کس قدر، ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

اور

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

لیکن اس کے برعکس آج امت مسلمہ کی حرماں نصیبی یہ ہے کہ اس نے نبوی تعلیم کو پس پشت
ڈال کر مختلف طبقوں اور فرقوں میں منقسم ہو کر، اپنے اپنے مسلک اور ٹولی کی حفاظت کو اسلام کی
سلامتی کی ضامن سمجھ لیا۔ بھلا اس عمل پر ذرہ برابر ندامت نہیں آتی ہے کہ ہماری اس تقسیم نے ہمیں
بموجب فرمان خداوندی بزدل اور کمزور بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ
الْمُشْرِكُونَ} (التوبة: ۳۳)

”وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب
کرے اگرچہ مشرکین برامائیں۔“

ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کی تکمیل، اس کے مؤمن بندے ہی کے ذریعہ ہونی ہے۔
جس کا تناسب دنیا کی تمام قوموں کے مقابلہ روئی اور پہاڑ کے مانند ہے۔ اس پر مزید یہ کہ تکفیر
و تضلیل کے ذریعہ جماعت سے خارج کرنے کا کام بھی ہم بڑی عجلت پسندی سے کرتے ہیں۔

آج پوری دنیا بالخصوص امریکہ، فرانس، اسرائیل وغیرہ جدید اسلحوں کے ساتھ اسلامی سلطنتوں
کو نشانہ بنا رہی ہیں۔ ان کے راکٹ، بم اور میزائل جب عراق و فلسطین پر گرتے ہیں، تو کیا وہ شیعہ،
سنی، دیوبندی، اہل حدیث اور حنفی و شافعی میں امتیاز کرتے ہیں؟ امت محمدیہ کے تحفظ و بقا کے
لیے مختلف مسالک و مکاتب فکر کا اتفاق و اتحاد وقت کی اہم ضرورت نہیں ہے؟ اگر ہم ایسا قدم
اٹھاتے ہیں، تو اس کی نظیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں موجود ہے کہ آپ نے پہلی اسلامی
ریاست قائم کرنے اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے بعد ہجرت یہودیوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق

فرمایا، جسے تاریخ ”میشاقِ مدینہ“ کے نام سے جانتی ہے۔

گمراہ فرقوں کو تو رہنے دیں اہل سنت و جماعت کی حالت زار یہ ہے کہ ہم قادری، چشتی، اشرفی، سہروردی، رضوی اور دیگر مشارب و سلاسل (جن کے سوتے درحقیقت مشکافِ نبوی تک پہنچتے ہیں اور یہ ایک ہی باغ کے مختلف خوشبودینے والے رنگ برنگے پھول ہیں) ایک دوسرے کے ساتھ دست بگریباں ہیں۔ الا ماشاء اللہ، اس سے زیادہ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ہم موجودہ زمانہ میں کسی فرعی، قیاسی، غیر منصوص مسئلہ جس کا مدار ظن پر ہوتا ہے، اس میں مختلف نظریہ کے حامل ایک دوسرے کی ذاتیات کو داغ دار کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ تذلیل، تفسیق یہاں تک کہ اپنے ہی ایک فرد کو دوزخ کے دروازے تک پہنچا دیتے ہیں اور مسائلِ فرعیہ پر حکمِ اعتقادی نافذ کر کے شریعتِ الہیہ میں سیندھ لگاتے ہیں۔

کسی کی علمی لغزشوں اور فقہی تفردات کو ڈھونڈنا، انھیں عوام میں پھیلانا پورے دین پر بے اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ اور یہ سوچ نہایت ہی بدترین اور معاندانہ ہے۔ جس کے پس پردہ فہمائیت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہر عالم کی رائے میں درستی کے ساتھ غلط ہونے کا بھی احتمال ہے۔ اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ احکامِ شرع بتلانے میں صرف نبی معصوم ہیں اور کوئی معصوم نہیں، ورنہ مجتہدین سے اجتہادی غلطی صادر نہ ہوتی اور محظی مجتہد کو ثواب نہ دیا جاتا۔

میں آپ کے سامنے صحابہ، تابعین، ائمہ مقتدی اور سلفِ صالحین کے چند اختلافات کا تذکرہ کیے دیتا ہوں کہ ان کے مابین علمی تفاوت کے باوجود مسائلِ شرع میں اختلاف تھے اور کوئی فرد یا فریق ایک دوسرے کی تذلیل و تفسیق تو دور کی بات ہے اپنے عمل سے غیر مناسب رویہ کا اظہار بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ ایک دوسرے سے محبت و الفت اور ادب و احترام کا معاملہ فرمایا کرتے۔

(۱) جمہور صحابہ کی رائے یہ تھی کہ کافر و مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ (وفات: ۶۰ھ) کہتے ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔
(شرح النووی: ۱۱/۵۲)

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (وفات: ۶۸ھ) کہتے ہیں: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (وفات: ۵۸ھ) اس کا انکار کرتی ہیں۔ (فتح الباری: ۷/۲۱۸)

(۳) یحییٰ بن سعید (وفات: ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں: فتویٰ دینے والوں سے مسائل ہمیشہ دریافت ہوتا رہا اور وہ جواب دیتے رہے۔ ایک نے ایک چیز کو حلال اور دوسرے نے حرام کہا، لیکن حرام قرار دینے والے نے یہ نہیں سمجھا کہ حلال کہنے والا اس وجہ سے تباہ ہو گیا۔ اور نہ حلال کہنے والے نے یہ سمجھا کہ حرمت کا فتویٰ دینے والا اس کی وجہ سے برباد ہو گیا۔ (کتاب جامع بیان علم و فضلہ، ابن عبد البر: ۲/۹۰۲)

(۴) امام احمد بن حنبل (وفات: ۲۴۱ھ) رعاۃ اور حجامت سے وضو ٹٹنے کے قائل تھے۔ ان سے کہا گیا کہ اگر امام کو خون نکل جائے اور وہ تجدید وضو نہ کرے، تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ انھوں نے جواب دیا: میں امام مالک (وفات: ۷۹ھ) اور سعید بن مسیب (وفات: ۹۴ھ) کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھوں گا۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۱۷۹)

(۵) علامہ علاء الدین حصکفی حنفی (وفات: ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں :

”وَعِلْمُ بَأْنِ الْاِخْتِلَافِ مِنْ اَثَارِ الرَّحْمَةِ فَفَهْمُهُمَا كَانَ الْاِخْتِلَافُ أَكْثَرَ كَانَتْ الرَّحْمَةُ أَوْفَرَ“
”اختلاف رحمت کے قبیل سے ہے تو اختلاف جتنا زیادہ ہوگا رحمت اتنی زیادہ ہوگی۔“ (در مختار: ۱/۶۸)

(۶) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنی رائے کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں:

”عن مسروق قال: كتب كاتب لعمر بن الخطاب "هذا ما رأى الله ورأى عمر" فقال:

”بئس ما قلت، قل: هذا ما رأى عمر، فإن يكن صواباً فمن الله، وإن يكن خطأً فمن عمر“

(اعلام الموقعين: ۱/۴۳)

”حضرت مسروق (وفات: ۶۳ھ) سے مروی ہے کہ ایک کاتب نے حضرت عمر کے بارے میں لکھا کہ یہ اللہ اور عمر کی رائے ہے۔ آپ نے فرمایا بہت ہی برا تم نے کہا، بلکہ یہ کہہ کہ یہ عمر کی رائے ہے، اگر درست ہو تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور غلط ہو تو عمر کی طرف سے ہے۔“

(۷) ابو الفداء اسماعیل بن محمد عجیلونی دمشقی لکھتے ہیں:

”أخرج الخطيب قال هارون الرشيد لمالك بن أنس يا أبا عبد الله! نكتب هذه الكتب يعني مؤلفات الامام مالك ونفرقها في آفاق الاسلام لنحمل عليها الأمة، قال يا أمير المؤمنين! ان اختلاف العلماء رحمة من الله تعالى على هذه الأمة كل يتبع ماصح عنده وكل على هدى وكل يريد الله تعالى“ (كشف الخفا ومزيل الالباس: ۶۶/۱)

”خطیب بغدادی نے نقل کیا کہ خلیفہ ہارون رشید (وفات: ۱۹۳ھ) نے امام مالک سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی تالیفات کو سارے عالم اسلام میں پھیلا دیں اور مسلمانوں کو اسی پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کریں۔ امام مالک نے کہا: اے امیر المؤمنین! علما کا اختلاف، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس امت کے لیے رحمت ہے۔ ہر ایک اسی کی پیروی کرتا ہے، جو اس کے نزدیک صحیح ہے، سب ہدایت پر ہیں اور رضائے الہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

امام مالک کے اس پورے واقعہ پر غور کیجیے کہ آپ نے امت کو کس طرح اجازت فرمادی کہ اختلاف کے وقت جس عالم کی چاہو پیروی کر لو، سب حق کے متلاشی ہیں۔ اس واقعہ کی روشنی میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آج لوگ، کسی خاص عالم جو خود مقلد ہے، اس کے قول پر اپنے اور غیر کے لیے عمل کرنے کو لازم کیوں سمجھتے ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے، چلتی ٹرین پر فرض نماز درست ہے۔ دوسرا اسی کو نادرست و واجب الاعداء قرار دیتا ہے۔ علما کا یہ اختلاف تو امت کے لیے رحمت ہے۔ امت جس کے قول میں آسانی سمجھے عمل کر لے، لیکن اس کے برعکس ایک فریق دوسرے کے بتائے ہوئے شرعی مسئلہ کی یوں تضحیک کرتا ہے۔ ”چلتی ٹرین پر دوڑتی نماز“ کیا پندرہویں صدی میں کسی ماں نے امام مالک جیسا علم والا بچہ جنا ہے، اگر نہیں اور یقیناً نہیں جتنا، تو پھر کسی خاص فرد ہی

کا قول کیوں لازم ہے؟

(۸) امام اعظم ابوحنیفہ (وفات: ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں:

”هذا الذي نحن فيه رأى لا نجبر عليه أحدًا ولا نقول يجب على أحد قبوله“

(سيرة النعمان، ص: ۱۱۹ مولانا شبلی نعمانی)

”یہ میری رائے ہے جس کے قبول کرنے پر ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ اس کا کسی کو قبول کرنا واجب ہے۔“

(۹) امام مالک (وفات: ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

”كل يؤخذ منه ويرد عليه الا صاحب هذا القبر وأشار الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم“

(حجة الله البالغة: ۱/۱۵)

”ہر شخص کا قول رد و قبول کے لائق ہے، سوائے نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔“

بلکہ صحابہ کرام اور اسلاف امت تو اتحاد و اتفاق کے ایسے حریص اور اختلاف و انتشار سے اتنے خائف رہتے تھے کہ اختلاف و فتنہ سے بچنے کے لیے فاسق کی بھی اقتدا کر لیا کرتے تھے۔

(۱۰) امام غزالی (وفات: ۵۰۵ھ) کی مسئلہ تکفیر کے بارے میں ایک نصیحت ملاحظہ ہو:

”ان التكفير هو صنيع الجاهل ولا يسارع الى التكفير الا الجاهل فينبغي الاحتراز عن

التكفير ما وجد الانسان الى ذلك سبيلا فان استباحة الدماء والأموال من المصلين الى

القبلة المصير حين يقول لا اله الا الله محمد رسول الله خطأ والخطأ في ترك ألف كافر

أهون في الحياة من الخطأ في سفك محجمة من دم مسلم“ (الاقتصاد في الاعتقاد، ص: ۱۳۵)

”تکفیر کرنا جاہلوں کا وطیرہ ہے اور اس میں نادان و جاہل ہی عجلت کرتے ہیں، حتی الامکان تکفیر سے

بچنا چاہیے کیوں کہ غلطی سے ایک کلمہ گو کا خون بہانا ہزاروں کافروں کو خطا باقی رکھنے سے بڑا گناہ ہے۔“

(۱۱) شیخ تقی الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۷۶۰ھ) سے بدعتوں کی تکفیر کے متعلق

دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تکفیر مسلم کے لیے جو شرائط و قیود اور انتقائے مواع کی ضرورت ہوتی ہے، ہمارے زمانے کے اکابر علما و فقہا پر اس کی معرفت دشوار ہے اصغر کو تو رہنے ہی دیجیے۔ لہذا حکم تکفیر اسی پر نافذ کیا جائے گا، جو صراحتاً کفر کرے اور شہادتین کا منکر ہو اور یہ نادر الوقوع ہے۔ ادب یہ ہے کہ گمراہ اور بدعتیوں کی تکفیر سے توقف کریں، لکھتے ہیں:

”ذلك مما هو متعذر جدا على أكابر علماء عصرنا فضلا عن غيرهم وإذا كان يعجز عن تحرير معتقده في عبارة وكيف يحذر اعتقاد غيره من عبارة فابقي الحكم بالتكفير إلا لمن صرح بالكفر واختاره دينا وجمدا الشهادتين وخرج عن دين الاسلام جملة وهذا نادر وقوعه فالأدب الوقوف عن تكفير أهل الأهواء والبدع“ (المحديقة الندية، ص: ۳۰۱)

صحابہ، تابعین، محدثین اور فقہائے کرام کے مذکورہ اقوال و واقعات سے ہمیں اتحاد و اتفاق کا درس اور اختلاف کے وقت ادب و احترام کا پیغام ملتا ہے۔ لیکن آج مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے اخلاق و مروت اور اسلامی سرداری کے دعویدار ہوں یا دنیوی جاہ و شتم پر فائز لیڈر، اگر ان کے باطن میں جھانکیں، تو الا ماشاء اللہ، ہی قیادت و سیادت کے اہل ہوں گے۔

میں ایسے لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب صحابہ، تابعین اور ائمہ مقتدیٰ کا آپسی اختلاف (علمی تفاوت کے باوجود) لائق مذمت و وعید نہیں ہے، تو آج پندرہویں صدی ہجری میں یہ اختلاف قابل مذمت اور دخول نار کا سبب کیوں ہے۔ جب شیخین جیسے متقی، موقع شناس اور حضرت علی (وفات: ۴۰ھ) جیسے باب علم سے لوگ اختلاف کر سکتے ہیں، تو آج کسی عالم و فقیہ سے دلائل کی روشنی میں اختلاف کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ اور اختلاف کرنے والے کو لائق التفات کیوں نہیں سمجھا جاسکتا؟ پھر آج کسی عالم کے قول سے اختلاف یا اس کے فتویٰ کے بالمقابل فتویٰ کو شرعی معصیت کا نام کیوں دیا جاتا ہے؟ کیا ایسا کر کے ہم اس کے قول کی عصمت کے مرتکب نہیں ہو رہے ہیں؟ نیز سیکڑوں مسائل ایسے ہیں، جن میں علمی جاہ و جلال کے باوجود اعلیٰ علم والے کا ذہن صحت کی جانب سبقت نہ کیا اور ادنیٰ علم والے نے درنگی کو پالیا ہے مثلاً مسروق ابن الابرع ہمدانی تابعی

نے لڑکے کی قربانی کی نذر کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباس سے اختلاف کیا، حضرت مسروق کا خیال تھا کہ اس میں ایک بکری لازم ہوگی جب کہ ابن عباس کا خیال تھا کہ اس میں سو اونٹ واجب ہوں گے۔ حضرت مسروق کی دلیل یہ تھی کہ کوئی لڑکا حضرت اسماعیل سے افضل نہیں ہو سکتا، حضرت مسروق کی اس دلیل کی وجہ سے ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر کے مسروق کے قول کو اختیار کر لیا۔ (اعلام الموقعین: ۱/۶۷)

برادرانِ ملت! ہوش کے ناخن لیجیے اور خدا را اس امت کو مزید ٹکڑے ٹکڑے نہ ہونے دیجیے، رسول اللہ کے وارث! آپ کو تو مقصد رسالت کی ذمہ داری دی گئی ہے، اپنی ان ٹکڑیوں اور ٹولیوں کے ساتھ جب حضور کے حضور آؤ گے تو لا حاصل ندامت و پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ لہذا ایک دوسرے کی تفسیق، تذلیل، تکفیر اور گروہ بندی سے پرہیز کرو۔

نباض قومِ مسلم ڈاکٹر اقبال صاحب (وفات: ۱۹۳۸ء) لکھتے ہیں:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک

ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک

کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پہنچنے کی یہی باتیں ہیں

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اب میں اپنے محبین کی بارگاہ میں کچھ کلماتِ شکر کہنا چاہتا ہوں کہ بموجب حدیث ”من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ“ ”جس نے انسان کا شکر نہ کیا اس نے اللہ کا شکر نہ کیا۔“

سب سے پہلے شکر گزار ہوں اپنے مخدوم و معظم اور مشفق و محترم حضور قائدِ ملت حضرت علامہ الحاج سید محمد محمود اشرف اشرفی جیلانی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ کچھوچھو مقدسہ کا جن کے الطاف و عنایات اور شفقتوں پر شکر کا اظہار بھی کم ظرفی ہے، اللہ ہی بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ عالم اسلام کی عظیم درس گاہ جامع اشرف کو خیر آباد کہنے کے بعد حقیر کی جو کیفیت ہے اس کی ترجمانی عربی کے اس شعر میں ہے:

ما کل ما يتمنى المرء مدركه
تجرى الرياح بما لا تشتهي السفن

اب حضور کی بارگاہ میں یہی درخواست ہے کہ ہماری نااہلی و بے استعدادی سے اپنی شفقت و محبت کی نگاہ نہ ہٹائیں کہ نیاز مندوں میں اگر ایک فضول و بے اصول اور ادب ناشناس ہو تو مستحقِ عفو و قابلِ تحمل ہے۔

اور اپنے خیر خواہ، عالی ظرف، مجسمہ اخلاق و محبت، صاحب فہم حضرت علامہ قمر احمد صاحب اشرفی، ناظم اعلیٰ جامع اشرف کا شکر گزار ہوں، جن کی مشفقانہ نگاہ اور مفید مشورے ہر لمحے کام آتے ہیں اور ان سے دینی تحریک حاصل ہوتی ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ایک عظیم ذات جو علمی و فنی میدان میں مہارت اور درس و تدریس میں کمال رکھتی ہے، میری مراد حضرت علامہ مولانا مفتی معین الدین صاحب اشرفی کی شخصیت ہے، جنہوں نے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ فرما کر مفید مشوروں سے نوازا اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی امان میں رکھے۔

سرِ اُپا شکر گزار ہوں اتاذِ گرامی محقق عصر حضرت علامہ مفتی محمد رضاء الحق صاحب قبلہ اشرفی مصباحی نگرانِ اعلیٰ السید محمود اشرف دارالتحقیق والتصنیف جامع اشرف کا، جن کی کاوش اور دستگیری نے قلم پکڑنے کے قابل بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض سے ہمیں مستفید فرمائے۔

بے حد ممنون و مشکور ہوں استاذِ محترم، فقیہ وقت، عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی شہاب الدین صاحب قبلہ اشرفی جامعی، شیخ الحدیث و صدر شعبۂ افتا جامع اشرف کا جنہوں نے کتاب کا مکمل

مطالعہ فرمایا اور ایک مفید تقریظ عنایت فرما کر کتاب کی قدر و قیمت کو دو بالا کیا۔

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں اپنے مشفق و محترم اور دقیق النظر برادر اکبر حضرت علامہ مولانا شہباز عالم مصباحی کا جن کی مشفقانہ تربیت اور مکتب کی کرامت نے قلم و قسط کے لائق بنایا۔

میں اپنے ہم سبق، ہر دلعزیز ساتھی کا شکر گزار ہوں، جو علمی حلقے میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں، کتاب و قلم کے دھنی انسان اور سفر و حضر میں تحقیق و تالیف کا کام خشوع و خضوع کے ساتھ کرتے ہیں، اپنے قیمتی وقت کے ذریعہ کتاب کی کوتاہیوں اور غامیوں کی نشاندہی فرمائی اور موقع مقدمہ ثبت فرما کر خلوص و اپنائیت کا ثبوت دیا، میری مراد حضرت علامہ مولانا سید قمر عالم صاحب اشرفی جامع، ناظم تعلیمات جامع اشرف ہیں، جن کا عمل و کردار اہل سنت و جماعت کے لیے مشعل راہ اور بیش قیمت سرمایہ ہے۔

اب چند علمائے مخلصین اور مشاورین کی نشاندہی کر رہا ہوں جو میرے لیے باوقار اور باعث افتخار ہیں، مثلاً حضرت علامہ عبدالحق صاحب قبلہ پرنسپل جامع اشرف، حضرت علامہ قمر الدین صاحب قبلہ، حضرت مولانا سید دانش میاں صاحب قبلہ، حضرت مولانا جابر احمد صاحب قبلہ، حضرت مولانا غلام سبحانی صاحب قبلہ، حضرت مولانا ہارون صاحب قبلہ، حضرت مولانا نوشاد صاحب قبلہ، حضرت مولانا شاہد رضا صاحب قبلہ، حضرت مولانا نذر الباری صاحب، حضرت مولانا قمر عارف صاحب ازہری، مولانا جابر حسین صاحب مصباحی، مولانا انور صاحب، سید طارز میاں صاحب اشرفی، حافظ طاہر صاحب قبلہ اساتذہ جامع اشرف، بالخصوص مولانا مفتی زین العابدین صاحب اشرفی قبلہ استاذ جامع اشرف کابے حد ممنون و مشکور ہوں، جنہوں نے ایک آواز پر پروف ریڈنگ اور کمپوزنگ کا کام بڑی جاں فشانی سے انجام دیا۔

ان کے علاوہ حضرت مولانا منظور صاحب قبلہ اشرفی پرنسپل مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم ماچھی پور، مولانا کلام صاحب اشرفی، مولانا شاہ جہاں صاحب اشرفی، برادر صغیر مولانا منہاج اشرفی، مولانا آصف اقبال صاحب اشرفی، مولانا تسنیم کوثر اشرفی، مولانا حاجی غلام مصطفیٰ صاحب، حاجی عطاء الرسول

صاحب، جناب لعل محمد صاحب، عالی جناب مولانا ابراہیم صاحب غازی پور، ان تمامی حضرات کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کے لیے نیک خواہشات کا اظہار فرمایا۔

اور جامع اشرف کے ان تمام طلبہ کا ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے اس موضوع پر لکھنے کے لیے پیہم اصرار کیا، خصوصاً شہزادہ قائد ملت حضرت سید محمد میاں، نبیرہ قطب المشائخ حضرت سید اعراف میاں، محمد وقار اشرفی، محمد علاء الحق، محمد مسعود عالم، مولوی شمس الزماں، محمد رضوان احمد پٹیلی بھیتتی، شہنواز بناری، جابر حسین اشرفی، معصوم رضا نوری، احمد کبیر اشرفی، صدام حسین اشرفی، عنایت حسن اشرفی اور محمد یعقوب اشرفی سلمہم اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ انھیں علم و عمل کی لازوال نعمتوں سے بہرہ مند فرمائے۔

ہم صمیم قلب سے شکر گزار ہیں محب محترم عالی جناب نثار احمد صاحب قبلہ ناظم مدرسہ امین تعلیم الاسلام، بہرہ غازی پور کا جن کی محبت اور نیک خواہشات سے ہر لمحہ مستفید ہوتا ہوں، ان کے علاوہ اس ادارے کے تمام اساتذہ کا شکر گزار ہوں جو قدم بہ قدم مجنتوں کے پھول پنچھاور کرتے ہیں اور ہر خوشی و غم میں شریک سفر رہتے ہیں، بالخصوص حضرت مولانا حافظ ارشاد عالم صاحب پرنسپل ادارہ ہذا، حضرت مولانا طارق صاحب، حضرت مولانا عمران صاحب، حضرت مولانا حافظ حسن جہاں گیر صاحب، حضرت مولانا حافظ علاء الدین صاحب، ہر دل عزیز، سراپا ایثار و وفا ماسٹر اسماعیل و ماسٹر ہاشم صاحبان، ماسٹر خالد اقبال صاحب اور جناب مسعود عالم صاحب، اللہ تعالیٰ تمام حضرات کو سیرت و کردار کی بلندی عطا فرمائے۔ (آمین)

خاکسار

محمد نیاز احمد اشرفی

ضروریاتِ دین اور اس کے احکام

ضروریاتِ دین کی تعریف:

دین کے ایسے عقائد و اعمال کو کہتے ہیں جو قرآن کریم، احادیث متواترہ یا اجماع امت سے قطعی طور پر ثابت ہوں اور جو نصوص ان عقائد و اعمال کو ثابت کرنے کے لیے لائے گئے ہوں وہ اپنے معنی و مراد کو صاف اور واضح ظاہر کرتے ہوں اور وہ عقائد و اعمال مسلمانوں کے درمیان اس قدر مشہور و معروف ہوں کہ خواص اور وہ عوام جو علما اور دین سے تعلق رکھتے ہیں سب کو معلوم ہوں، تو ایسے عقائد و اعمال کو ضروریاتِ دین کہتے ہیں جیسے اللہ ایک ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں، نماز، روزہ، حج وغیرہ کا ثواب ہونا اور جھوٹ، شراب نوشی وغیرہ کا گناہ ہونا۔ مذکورہ مفہوم کا ثبوت مندرجہ ذیل عبارتوں سے خوب ہوتا ہے۔

مولانا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی (وفات: ۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں:

”اول ضروریاتِ دین ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواترہ یا اجماع قطعی، قطعیات الدلالات واضحتہ الافادات سے ہوتا ہے جن میں نہ شبہ کی گنجائش نہ تاویل کو راہ۔“ (اعتقاد الہدایہ ص: ۱۸)

علامہ ابن امیر حاج حنفی (وفات: ۸۷۹ھ) لکھتے ہیں:

”ما کان من ضروریات الدین ای دین الاسلام وهو ما یعرفہ منه الخواص والعوام من غیر قبول للتشکیک کو جو ب اعتقاد التوحید والرسالة ووجوب الصلوات الخمس وأخواتها من الزکاة والصیام والحج“ (التقریر والتحجیر: ۱۱۳/۳)

”ضروریاتِ دین وہ باتیں کہلاتی ہیں جنہیں بغیر شک و شبہ کے ہر عوام و خواص جانتے ہوں جیسے توحید و رسالت، نماز، ہجگا، زکات، روزہ اور حج وغیرہ کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھنا۔“

انور شاہ کشمیری (وفات: ۱۳۵۳ھ) تحریر کرتے ہیں:

”ان ضروریات الدین منحصرۃ عندهم فی ثلاثة مدلول الكتاب بشرط أن یکون نصا صریحا لا یمکن تأویلہ و مدلول السنة المتواترة لفظاً أو معنی سواء کان من الاعتقادات أو من العمليات و سواء کان فرضاً أو نفلاً و المجمع علیه اجماعاً قطعياً“

(انصار الملهدين: ۱/۱۲۲)

”ضروریات دین متکلمین کے نزدیک تین امور پر منحصر ہیں قرآن کریم، حدیث متواتر سے جو امر ایسی صراحت کے ساتھ ثابت ہو کہ اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو خواہ وہ ثابت شدہ امر اعتقادات، عملیات کے باب سے ہو یا فرض و نفل کے قبیل سے یا اجماع قطعی سے ثابت ہو۔“

مولانا حامد رضا قادری بریلوی (وفات: ۱۳۶۲ھ) ”الصارم الربانی“ میں ضروریات دین کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ضروریات دین: جن کا منکر کافر، ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعیات الدلالات و اخصیة الافادات سے ہوتا ہے، جن میں نہ شبہ کی گنجائش، نہ تاویل کو راہ“

(الصارم الربانی مشمولہ فتاویٰ حامد ربیہ ص: ۱۳۴)

بعض علمائے کرام نے ضروریات دین کی وضاحت میں صرف شہرت کو ملحوظ رکھا ہے اور قطعی ہونے کو بیان نہیں کیا ہے لیکن قطعی ہونا اس میں بھی ملحوظ ہے کہ یہ ضروریات کے مفہوم میں شامل ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی (وفات: ۱۲۵۲ھ) ”رد المحتار“ میں لکھتے ہیں:

”ماکان من ضروریات الدین و هو ما یعرف الخواص و العوام أنه من الدین“ (۵/۲)

ضروریات دین وہ بات کہلائے گی، جسے عوام و خواص سب جانتے ہوں کہ یہ دین سے ہے۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی (وفات: ۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

”ضروریات دین وہ مسائل دین ہیں جن کو ہر خاص و عام جانتے ہوں، جیسے اللہ عز و جل کی وحدانیت، انبیاء کی نبوت، جنت و نار، حشر و نشر وغیرہا“ (بہار شریعت: ۵۲/۱ فاروقیہ بک ڈپو)

قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة کا مفہوم:

قطعی الثبوت ہونے کا مطلب وہ دلیل شرعی ہے جس کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہونے میں ادنیٰ سا بھی شبہ نہ ہو جیسے قرآن کریم اور احادیث متواترہ۔

قطعی الدلالة ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید یا حدیث پاک میں جو عبارت وارد ہوئی ہو وہ اپنے معنی و مراد کو اس قدر یقینی اور واضح طور پر صاف صاف ظاہر کرتی ہو کہ اس کو متعین کرنے کے لیے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہ ہو جیسے ”أَقِمُْوا الصَّلَاةَ، وَآتُوا الزَّكَاةَ، وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ وغیرہ

شرائط ضروریات دین

ضروریات دین کی مذکورہ تعریف میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی حکم شرعی کے ضروریات دین میں سے ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں، جن میں سے کوئی ایک مفقود ہو جائے، تو وہ حکم ضروریات دین سے نہ ہوگا، وہ امور یہ ہیں۔

- (۱) قطعی الثبوت ہونا یعنی وہ حکم قرآن پاک یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی سے ثابت ہو۔
- (۲) قطعی الدلالة ہونا یعنی حکم بیان کرنے کے لیے جو عبارت لائی گئی ہو وہ اپنے معنی و مراد کو صاف ظاہر کرتی ہو۔

(۳) اس قدر معروف و مشہور ہو کہ عوام و خواص سب کو معلوم ہو۔

مذکورہ تفصیل کی تائید و ثبوت مندرجہ ذیل نصوص سے ہوتی ہے:

علامہ ابن حجر مکی (وفات: ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

”المعلومة من الدين بالضرورة.... ضابطه وهو أن يكون قطعيا مشهورا بحيث لا يخفى على العامة المخالطين للعلماء بان يعرفوه بداهة من غير افتقار الى نظر

واستدلال“ (فتاویٰ حدیثیہ: ۱/۱۴۱)

”کسی امر کے ضروریات دینی ہونے کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ وہ قطعی الثبوت ودلالت ہو اور وہ عوام جو علماء کے ساتھ نشست و برخاست کرتی ہے ان کے درمیان مشہور و معروف ہو اس طور پر کہ نظر و فکر کی ضرورت نہ ہو۔“

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (وفات: ۱۲۳۹ھ) ضروریات دین کے تین میں منحصر ہونے کی صراحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”فمن أنكر ضروریات الدین لم یبق من اهل القبلة لان ضروریات الدین منحصرة عندهم فی ثلاثة (۱) مدلول الكتاب بشرط أن يكون نصا صریحا لا يمكن تأويله كتحريم الأمهات“ (۲) ”ومدلول السنة المتواترة لفظا أو معنى سواء كان من الاعتقادات أو من العمليات كوجوب محبة اهل البيت من الازواج والبنات والجمعة والجماعة والاذان والعیدین“ (۳) ”والمجمع علیه اجماعا قطعيا كخلافة الصديق والفاروق“ (فتاویٰ عربی: ۱/۵۲، تہذیب جیمیہ)

متکلمین کے نزدیک کسی امر کے ضروریات دین ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں:

- (۱) وہ حکم کتاب اللہ سے صراحتاً ثابت ہو جس میں تاویل کو بالکل راہ نہ ہو جیسے شراب کی حرمت۔
- (۲) یا حدیث متواتر سے ثابت ہو خواہ وہ ثابت شدہ حکم، اعتقادی ہو یا عملی جیسے جمعہ، عیدین اور اہل بیت کی محبت کا واجب ہونا۔
- (۳) یا اجماع قطعی سے ثابت ہو جیسے حضرات شیخین کی خلافت۔

مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

”القطع علی ثلاثة أوجه !قطع عام يشترك فيه الخواص والعوام وهو الحاصل فی ضروریات الدین“ (فتاویٰ رضویہ: ۱/۲۳۹، کتاب الطہارۃ)

”بعض قطع وہ ہے جس میں عوام و خواص سب مشترک ہیں اور یہی مراد ہے ضروریات دین میں۔“

ضروریاتِ دین کے احکام

مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

”مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ضروریاتِ دین ان کا منکر بلکہ ان میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔“

(رماح القہار علی کفر الکفار، مشمولہ فتاویٰ رضویہ: ۲۹/۳۱۸ جدید)

علامہ ابن عابدین شامی (وفات: ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

”الوترأنہا من الدین بالضرورة فینبغی الجزم بتکفیر منکرہا“ (رد المحتار: ۵/۲)

”و ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے جس کے منکر کی تکفیر یقینی ہے۔“

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی (وفات: ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

”وان أنکر بعض ما علم من الدین ضرورة کفر بها“ (در مختار: ۱/۵۶۱)

”جو شخص کسی ضروریاتِ دین کا منکر ہو اس کی تکفیر کی جائے گی۔“

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

”لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام..... وان کان من أهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات“ (۵۶۱/۱)

”ضروریاتِ دین کا منکر بغیر کسی اختلاف کے کافر ہے خواہ وہ شخص پوری زندگی طاعات و بندگی میں گزار دے۔“

ابن وزیر، محمد بن ابراہیم بن علی حسنی قاسمی (وفات: ۸۴۰ھ) لکھتے ہیں:

”اجماع الأئمة علی تکفیر من خالف الدین المعلوم بالضرورة“ (ایثار الحق لابن الوزیر: ۱/۱۱۲)

”ضروریاتِ دین کے منکر کی تکفیر پر امت کا اجماع ہے۔“

علامہ فضل رسول بدایونی (وفات: ۱۲۸۹ھ) لکھتے ہیں:

”ماکان من أصول الدین و ضروریاتہ یکفر المخالف فیہ“ (المعتقد المنتقد ص: ۲۱۲)

”جو بات ضروریاتِ دین سے ہو اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔“

علامہ سعد الدین تفتازانی (وفات: ۷۹۱ھ) لکھتے ہیں:

”فلا نزاع فی کفر أهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد قدم العالم

ونفی الحشر“ (شرح مقاصد: ۲/۲۶۹)

”اس شخص کی تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے جو عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھے یا حشر و نشر کی نفی

کرے خواہ وہ پوری عمر عبادت و بندگی میں گزار دے۔“

مذکورہ تمام عباراتِ علما سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جو عقیدہ یا عمل ضروریاتِ دین میں

سے ہو اور اس میں کوئی تاویل کرے یا انکار کرے تو ایسا شخص دائرۃ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

ضروریاتِ دین کی تفصیل

ضروریاتِ دین کی تعریف کو اگر آپ نے سمجھ لیا ہے تو اس تعریف کے تناظر میں درج ذیل

باتوں کا ضروریاتِ دین سے ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

ضروریاتِ دین عقائد کے قبیل سے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا۔

(۲-۳) ہر طرح کے شریک، مثیل، شبیہ سے پاک ہونا۔

- (۵-۹) زمان، مکان، عرش، ہوا اور تمام مخلوقات سے پہلے ہونا۔
- (۱۰) علاماتِ حدوث سے پاک ہونا۔
- (۱۱) عبادت کا تنہا مستحق ہونا۔
- (۱۲) تنہا خالق ہونا۔
- (۱۳-۳۱) قدیم، جی، علیم، قادر، مرید، متکلم، سمیع، بصیر، رحیم، نبیر، لم یلد، لم یولد، معز، مذل، رزاق، قیوم، مجبی، ممیت اور حاشر ہونا۔
- (۳۲-۳۳) جمیع کلیات و جزئیات کو محیط ہونا۔
- (۳۴) اس کے سوا سب کا حادث ہونا۔
- (۳۵) اپنی فضا میں عادل ہونا۔
- (۳۶) اپنی اخبار میں صادق ہونا۔
- (۳۷) ہر طرح کے معاصی کو ناپسند کرنا۔
- (۳۸) بندوں کو تکلیفِ مالایطاق کا حامل نہ بنانا۔
- (۳۹) اپنے ہر افعال میں حکیم ہونا۔
- (۴۰) فاعل مختار ہونا۔
- (۴۱) جسے چاہے ہدایت و ضلالت دے۔
- (۴۲) ہر عیب و نقص سے پاک ہونا۔
- (۴۳) سب کا فقیر اور اس کا غنی ہونا۔
- (۴۴) ازلی وابدی ہونا۔
- (۴۵) شکل و صورت سے منزہ۔
- (۴۶) وہ عالم بالذات ہے۔
- (۴۷) غیر اللہ کا علم عطائی ہے۔

- (۴۸) انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت۔
 (۴۹) ہمارے نبی کا سید الانبیاء ہونا۔
 (۵۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا۔
 (۵۱) اسرار کا حق ہونا۔
 (۵۲) رسالت کا موت سے منقطع نہ ہونا۔
 (۵۳) کوئی ولی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا۔
 (۵۴) رسول اللہ کی رسالت کا عام ہونا۔
 (۵۵) قرآن مجید کی طرح دیگر کتب سماویہ کو کلام الہی ماننا۔
 (۵۶) عالم کا حادث ہونا۔
 (۵۷) مرنے کے بعد زندہ ہونا۔
 (۵۸) قیامت کا آنا۔
 (۵۹) مؤمنوں کا دائمی جنتی اور کافروں کا دائمی دوزخی ہونا۔
 (۶۰) حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننا۔
 (۶۱) معجزات انبیاء کا حق ہونا۔
 (۶۲) عذاب و ثواب کا حق ہونا۔
 (۶۳) جنت و دوزخ کا حق ہونا۔

ضروریاتِ دین اعمال کے قبیل سے:

- (۶۴-۷۲) نماز، روزہ، حج، زکات، جمعہ، وضو، نماز جنازہ، غسل جنابت اور تیمم کا فرض ہونا۔
 (۷۳) نمازوں کی رکعات۔
 (۷۴) پیشاب، پاخانہ وغیرہ سے طہارت کا زائل ہونا۔

(۷۵-۷۷) جماع حیض اور نفاس سے غسل کا واجب ہونا۔

(۷۸) حدیث سے نمازوں کا باطل ہونا۔

(۷۹) عمرہ کا سنت ہونا۔

(۸۰) وارثین کے مابین وراثت کا جاری ہونا۔

(۸۱) قتل مرتد اور جہاد کی حلت۔

(۸۲) اللہ تعالیٰ کی قسم کی حلت۔

ضروریات دین محرمات کے قبیل سے:

(۸۳-۱۰۳) ماں، دادی، نانی، حقیقی بہن، علاقہ بہن، اخیانی بہن، بیٹی، پوتی، نواسی، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی، رضاعی ماں، رضاعی بہن، ساس، بیوی کی بیٹی، نسل، بیٹے کی بیوی، رضاعی بیٹے کی بیوی، بیک وقت دو سگی بہنوں سے نکاح کا حرام ہونا اور منکوحہ غیر سے نکاح کی حرمت۔

(۱۰۴) شراب نوشی

(۱۰۵) چوری

(۱۰۶) سود خوری

(۱۰۷) زنا کاری

(۱۰۸) خنزیر

(۱۰۹) دم مسفوح کا حرام ہونا

(۱۱۰) حالت حیض و نفاس میں وطی کی حرمت

(۱۱۱) کسی بندے سے تکلیف شرع کو ماقطع نہ جاننا

(ماخوذ مقالہ، مولانا خالد ایوب مصباحی شیرانی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ضروریاتِ دین کی شرط مفقود ہونے کا حکم

ضروریاتِ دین کی تعریف سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جو عقیدہ و عمل مذکورہ شرائط میں سے کسی ایک شرط سے خالی ہو وہ ضروریاتِ دین سے نہ ہوگا۔ لہذا جس عقیدہ و عمل میں قطعیت دونوں طرح کی ہو لیکن اس کو ہر عوام و خواص نہ جانتے ہوں تو وہ قطعی تو کہلائے گا ضروری نہ ہوگا۔ بلفظ دیگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ احکام متواترہ کی دو صورت ہے۔

(۱) متواترہ ظاہرہ (۲) متواترہ غیر ظاہرہ۔

متواترہ ظاہرہ جیسے نماز، روزہ، حج، زکات وغیرہ، متواترہ غیر ظاہرہ، جیسے جدہ کا سدس۔

مسلمان کی بھی دو صورت ہے:

(۱) نو مسلم یا ایسی وادی میں رہنے والا شخص جہاں کوئی مسلم نہ ہو۔ ایسا شخص اگر متواترہ ظاہرہ کا بھی منکر ہو تو تکفیر نہ ہوگی جب تک کہ حجت اس پر قائم نہ ہو۔

(۲) قدیم الاسلام یا وہ شخص جو اہل علم کے مابین ہو متواترہ ظاہرہ کا انکار کرے تو کافر ہوگا کیوں کہ اس پر حجت قائم ہوگئی ہے اور متواترہ غیر ظاہرہ کا اگر عوام انکار کرے تو تکفیر نہ ہوگی یہاں تک کہ حجت قائم ہو جائے۔ خواص اگر منکر ہو تو تکفیر ہوگی۔

ملا علی قاری (وفات: ۱۰۱۴ھ) ”شرح فقہ اکبر“ میں لکھتے ہیں:

”فلا خلاف بین المسلمین أن الرجل لو أظهر انكار الواجبات الظاهرة المتواترة، والمحرمات الظاهرة المتواترة فإنه يستتاب فان تاب فبها والاقْتل كافر امر تدأ“

(شرح فقہ اکبر، ص: ۲۰۰)

”اگر کوئی شخص واجباتِ ظاہرہ یا محرماتِ ظاہرہ متواترہ کا منکر ہو تو اس سے توبہ طلب کی جائے۔

اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ہے، ورنہ مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا۔“

علامہ فضل رسول بدایونی لکھتے ہیں:

”وجمهور الفقهاء والمتكلمين الى أنه لا يحكم بكفر أحد من المخالفين فيما ليس من الأصول المعلومة ضرورة من الدين“ (المعتقد، ص: ۱۱)
 ”جمهور فقہاء و متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ جو چیز ضروریات دین میں سے نہیں ہے اس کے منکر کی تکفیر نہ کی جائے گی۔“

علامہ ابن ہمام (وفات: ۸۶۱ھ) کی شہرہ آفاق کتاب ”المسایرة والمسامرة“ کے حوالے سے علامہ ابن عابدین شامی ”رد المحتار“ میں لکھتے ہیں:

”وأما ما لم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الا كفار بجحدہ فانهم لم يشروطوا سوى القطع في الثبوت ويجب حمله على ما اذ علم المنكر ثبوته قطعاً لأن مناط التكفير، وهو التكذيب أو الاستخفاف عند ذلك يكون أما اذا لم يعلم فلا لأن يذكر له أهل العلم ذلك فيلج“ (رد المحتار، باب المرتد: ۲۲۳/۴)

”جو حکم قطعی تو ہو مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچا ہو جیسے میراث میں اگر صلی بیٹی کے ساتھ پوتی جمع ہو تو حکم اجماع پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا۔ لہذا احناف کے نزدیک اس کے منکر پر حکم تکفیر نافذ ہوگا کیوں کہ ان کے نزدیک قطعی الثبوت کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے مگر ضروری یہ ہے کہ حنفیہ کے اس قول کو اس صورت پر محمول کیا جائے کہ منکر کو اس بات کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے اس لیے کہ تکفیر کا مدار تکذیب یا استخفاف پر ہے اور یہ اسی صورت پر متحقق ہے۔ لیکن جب قطعی ہونا معلوم نہ ہو تو تکفیر نہ کی جائے گی۔ ہاں اہل علم بتائیں اس کے باوجود انکار کرے تو حکم تکفیر ہوگا۔“

مفتی شریف الحق امجدی (وفات: ۱۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:

”وہ باتیں جن کا دین سے ہونا سب کو معلوم ہے مگر ان کا ثبوت قطعی نہیں ان کا منکر کافر نہیں، اگر یہ باتیں ضروریات مذہب اہل سنت سے ہوں تو گمراہ اور اگر اس سے بھی نہ ہو تو غلطی“۔ (نزہۃ القاری: ۱/۲۳۹)

انور شاہ کشمیری (وفات: ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

”اذا انكر منها شيئا جهلا به لم يكفر“ (انفار المحدثين: ۹۲/۱)
 ”بہالت کی وجہ سے کسی ضروریات دین کا منکر ہو تو اس کی تکفیر نہ ہوگی۔“

ضروریات دین میں تاویل غیر مقبول

جب کسی عقیدہ یا عمل کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ عقیدہ و عمل لفظاً و معنی دونوں اعتبار سے متواتر ہے۔ اور امت نے جو اس کا معنی حضور کے زمانہ سے اب تک سمجھا ہے وہی ضروریات دین ہے۔ اب اس کے علاوہ کسی نئے معنی کا پیدا کرنا، تاویل کرنا اگرچہ تاویل کرنے والا منزل کو ثابت مانتا ہو کفر ہے کہ یہ ضروریات دین کا انکار ہے۔ لہذا ضروریات دین میں تاویل کسی طرح مقبول نہیں ہے اور تاویل کرنے والے کی تکفیر کی جائے گی۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ متاویل کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ غیر ضروریات دین میں تاویل فاسد کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اگر یہ حکم مطلق ہو کہ کسی تاویل کرنے والے کی تکفیر نہ کی جائے، تو دین کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

مثلاً ایک شخص جبریل و ملائکہ کی تاویل قوت خیر اور شیطاں کی تاویل قوت بد سے کرے۔ دوسرا یہ کہے کہ (خاتم النبیین) یہ افضل النبیین کے معنی میں ہے یا خاتم النبیین کو نبی بالذات کے معنی میں لے لے۔ تو کیا اس کی یہ باطل تاویل درست ہوگی اور یہ تاویل اسے تکفیر سے بچا سکے گی۔ پھر تو ایک بت پرست بھی ”لا الہ الا اللہ“ کی تاویل اس طرح کر لے کہ کلمہ طیبہ میں جنس الہ کی نفی نہیں ہے بلکہ کمال الہ کی نفی ہے یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بلکہ دوسرے بھی معبود ہیں۔ لیکن اللہ سب سے ارفع و اعلیٰ معبود والا ہے۔ اور اپنی اس فاسد تاویل پر عربی محاورہ بھی پیش کر دے ”لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار“ (حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا کوئی جوان نہیں اور ذو الفقار جیسی کوئی تلوار نہیں)۔

تو کیا اس مشرک کی یہ باطل و اہیات تاویل تسلیم کر لی جائے؟ ہرگز نہیں تو بات دراصل وہی ہے کہ ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل مسموع نہیں ہے جو اجماعِ مسلمین کے خلاف ہو۔ مذکورہ تفصیل پر حسب ذیل عبارات علما و فقہا سے روشنی ملتی ہے۔

انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

”ان التأویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر“ (انکار الملحدین: ۱/۳۶)
 ”ضروریات دین میں تاویل، تاویل کرنے والے سے کفر کو دفع نہیں کرتا۔“

نیز اسی میں ہے:

”التأویل فی ضروریات الدین لا یقبل و یکفر المتأول فیہا“ (۱/۷۱)
 ”ضروریات دین میں تاویل مقبول نہیں ہے اور تاویل کرنے والے کی تکفیر کی جائے گی۔“

امام غزالی (وفات ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

{خاتم النبیین}: ”ان الأمة فہمت بالاجماع من هذا اللفظ ومن قرائن احواله أنه أفہم عدم نبی بعده أبدا و عدم رسول اللہ أبدا و أنه لیس فیہ تأویل ولا تخصیص“
 ”یعنی ”خاتم النبیین“ کے لفظ سے امت نے ہر دور میں یہی سمجھا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لہذا کوئی اس لفظ میں تاویل یا تخصیص کرے تو اس کا کلام ہدیان سے سمجھا جائے گا۔ اور یہ تاویل حکم کفر سے اسے بچانہ سکے گی۔ کیوں کہ وہ شخص ایسی نص کا جھٹلانے والا ہے جس پر امت کا اجماع ہو گیا ہے کہ اس میں تاویل یا تخصیص قابل قبول نہیں ہے۔“ (الاقتصاد فی الاعتقاد: ۱/۱۳۷)

امام غزالی کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ضروریات دین کا جو معنی امت نے ہر زمانے میں سمجھا اس کے علاوہ معنی پیدا کرنا کفر کا باعث ہے۔ اور ایسے آدمی کی تاویل غیر مقبول ہے۔

انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

”قال حبیب بن الربیع: لان ادعاه التأویل فی لفظ صراح لا یقبل“ (انکار الملحدین: ۱/۹۰)

”عبید بن ربیع کہتے ہیں کہ صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ کرنا غیر مقبول ہے۔“

انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

”ان التاویل فی ضروریات الدین غیر مقبول“ (فیض الباری علی صحیح البخاری: ۱/۵۰)

”ضروریات دین میں تاویل غیر مقبول ہے۔“

العرف الشذی شرح سنن الترمذی میں ہے:

”المشہور أن المتأول ليس بكافر، أقول ان المتأول في ضروریات الدین کافر کما

صرح به فی آخر الخیالی علی شرح العقائد“ (۱/۱۵۶)

مشہور یہ ہے کہ متأول کافر نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والا کافر ہے جیسا کہ خیالی، حاشیہ شرح عقائد میں اس کی صراحت ہے۔

مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”ضروریات دین، جن میں نہ شیعہ کی گنجائش نہ تاویل کو راہ اور ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا

مرتب کافر ہوتا ہے“ (اعتقاد الاحباب ص: ۸۱)

علامہ ابن عابدین شامی ”بزازیہ“ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”فی البزازیة إلا إذا صرح بإرادة موجب الکفر فلا ینفعه التأویل“ (رد المحتار: ۲۲۱/۴)

”جو شخص بالقصد کفر کی صراحت کرے تو اسے تاویل نفع نہ دے گی۔“

خلاصہ بحث

ضروریات دین ایسے عقائد و اعمال کو کہیں گے جن میں تینوں شرطیں (قطعی الثبوت، قطعی الدلالة اور عوام و خواص سب کو معلوم) ہوں اس کا منکر یا تاویل کرنے والا بلاشبہ کافر ہے۔ اور تینوں شرطوں میں سے کسی ایک کے مفقود ہونے کی صورت میں کوئی عقیدہ یا عمل ضروریات دین

میں سے نہ ہوگا۔ اور اس کے منکر یا تاویل کرنے والے کی تکفیر نہ کی جائے گی۔

مندرجہ بالا تمام عبارات علما و فقہائے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ تکفیر کا دار و مدار ضروریات دین کے انکار پر ہے اور اس کا انکار تین چیزوں کو شامل ہے، یعنی ضروریات دین کے خلاف اعتقاد رکھنا، قول کرنا یا عمل کرنا، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا اعتقاد رکھنا، اللہ و رسول کو گالیاں دینا یا قرآن کریم کو پاؤں کے نیچے رکھنا وغیرہ۔

امام غزالی لکھتے ہیں:

”أن الأمة فهمت بالاجماع من هذا اللفظ ومن قرائن أحواله أنه أفهم عدم نبی بعده أبداً وعدم رسول الله أبداً وأنه ليس فيه تأويل ولا تخصيص فمنكر هذا لا يكون إلا منكر الإجماع“ (الاقتصاد في الاعتقاد: ۱/۱۳۷)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

”أجمع العلماء على أن شاتم النبي صلى الله عليه وسلم والمنقوص له كافر“
”علمائے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم اور تنقیص کرنے والا کافر ہے۔“
(رسائل ابن عابدین)

ملنے کے پتے

مکتبہ فیضانِ اشرفی، خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکارِ کلاں جامع اشرف، کچھوچھہ شریف یوپی۔

موبائل: 8924067823

الاشرف اکیڈمی، دہلی۔ موبائل: 9891105516

رضا کتاب گھر، غازی پور، یوپی۔ موبائل: 9889987641

ضروریاتِ اہل سنت کی تعریف

ایسے عقائد و اعمال کو کہتے ہیں جن کا ثبوت ضروریاتِ دین کے دلائل کی طرح قطعی ہو۔ مگر قطعی الثبوت یا قطعی الدلالت ہونے میں ایک نوع کا شبہ ہو۔ اور وہ عوام و خواصِ اہل سنت کے درمیان معروف و مشہور ہو۔ تو ایسے امورِ دینیہ ضروریاتِ اہل سنت میں شمار ہوں گے۔

مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”دوم ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت و جماعت ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔ مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوع شبہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بد مذہب، بد دین کہلاتا ہے“ (اعتقاد الاحباب ص: ۸۱)

مفتی شریف الحق امجدی لکھتے ہیں:

”مذہبِ اہل سنت کی ضروریات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا مذہبِ اہل سنت سے ہونا سب عوام و خواصِ اہل سنت کو معلوم ہو جیسے عذابِ قبر، اعمال کا وزن“ (زہدہ القاری: ۱/۲۳۹)

مولانا حامد رضا قادری بریلوی لکھتے ہیں:

”دوم ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت و جماعت جن کا منکر گمراہ، بد مذہب ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔ اگرچہ با احتمال تاویل باب تکفیر مسدود ہے“۔ (الصارم الربانی، شمولہ فتاویٰ حامدیہ ص: ۱۳۴)

ضروریاتِ اہل سنت کی تفصیل

مذکورہ تعریف کی روشنی میں علمائے عظام و فقہائے کرام نے ضروریاتِ اہل سنت و عقائدِ اہل سنت کی جو تفصیل بتائی ہے ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں۔

- (۱) شیخین کو تمام صحابہ سے افضل سمجھنا۔
- (۲) موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا۔
- (۳) تمام صحابہ و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ادب کرنا۔
- (۴) جماعت کے ساتھ رہنا اور تفریق سے بچنا۔
- (۵) قرآن مجید کو مخلوق نہ کہنا۔
- (۶) شیخین کی خلافت تسلیم کرنا۔
- (۷) گناہ گاروں کے لیے شفاعت۔
- (۸) معراج جسمانی۔
- (۹) اعمال کا وزن۔
- (۱۰) سوال منکر و نکیر۔
- (۱۱) عذاب و ثواب قبر۔
- (۱۲) اجماع امت کی حجیت۔
- (۱۳) غتنین (حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے محبت کرنا۔
- (۱۴) خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت۔
- (۱۵) کرامات اولیا۔
- (۱۶) آخرت میں دیدار الہی۔
- (۱۷) اولیا کا بعض احوال غیبیہ کا جاننا۔
- (۱۸) اللہ تعالیٰ کا جسم سے پاک ہونا۔
- (۱۹) بندوں کے افعال کا خالق اللہ کو جاننا۔
- (۲۰) ہر مسلمان امام، نیک و فاجر کے پیچھے نماز جائز جاننا۔
- (۲۱) بادشاہ اسلام کے خلاف خروج نہ کرنا۔

- (۲۲) حیاتِ انبیا۔
- (۲۳) اللہ تعالیٰ کو جہت و مکان سے پاک جاننا۔
- (۲۴) اہل قبلہ کی نماز جنازہ جائز سمجھنا۔
- (۲۵) صلح للعباد کو اللہ پر ضروری نہ جاننا۔
- (۲۶) اچھی، بری تقدیر پر ایمان رکھنا۔
- (۲۷) تقلید مجتہد کو واجب جاننا۔
- (۲۸) گناہوں کی وجہ سے مسلمان کی تکفیر نہ کرنا۔
- (۲۹) انبیا، اولیا سے استمداد و استعانت کو جائز جاننا۔
- (۳۰) سماع موتی کو حق جاننا۔
- (۳۱) فاروق اعظم کے خلیفہ ثانی ہونے کا اعتقاد رکھنا۔
- (۳۲) صحابہ کرام کی عدالت کا اعتقاد۔
- (۳۳) بندہ نہ مختار کل نہ مجبور محض۔
- (۳۴) میلاد النبی کے استحسان کا اعتقاد۔

درج ذیل عبارتوں سے مذکورہ خطوط پر روشنی پڑتی ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری (وفات: ۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:

”وفی الحاوی من أهل السنة والجماعة من فيه عشرة أشياء“

الأول: ”أن لا يقول شيئاً في الله تعالى لا يليق بصفاته“

والثاني: ”يقربان القرآن كلام الله تعالى وليس بمخلوق“

والثالث: ”يرى الجمعة والعیدین خلف كل بر وفاجر“

والرابع: ”يرى القدر خيره وشره من الله تعالى“

والخامس: ”يرى المسح على الخفين جائزاً“

والسادس: ”لا يخرج على الأمير بالسيف“
 والسابع: ”يفضل أبا بكر وعمر وعثمان وعلياً على سائر الصحابة“
 الثامن: ”لا يكفر أحداً من أهل القبلة بذنوب“
 والتاسع: ”يصلّى على من مات من أهل القبلة“
 والعاشر: ”يرى الجماعة رحمة والفرقة عذاباً“ (المحرر الرائق: ٨/ ٢٠٤، فصل في الأكل والشرب)

علامہ ابن نجیم مصری اسی کتاب میں لکھتے ہیں
 ”وقال شيخ الاسلام الدليل على أن منكر المسح ضال مبتدع ما روى أن أبا حنيفة
 سئل عن مذهب أهل السنة والجماعة فقال هو أن تفضل الشيخين وتحب الختین
 وتري المسح على الخفين“ (١/ ١٤٣، باب المسح على الخفين)
 ”شیخ الاسلام نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ سے اہل سنت و جماعت کی علامت دریافت کی گئی تو
 آپ نے فرمایا: شیخین کو فضیلت دینا، ختین سے محبت کرنا اور مسح علی الخفین کو جائز سمجھنا۔“

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:
 ”والمعراج لرسول الله صلى الله عليه وسلم في القنطرة بشخصه الى السماء ثم الى ما
 شاء الله تعالى من العلى حق أى ثابت بالخبر المشهور حتى أن منكره يكون مبتدعاً“
 (شرح العقائد، ص: ٩١)
 ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسد اطہر کے ساتھ حالت بیداری میں آسمان کی طرف ہوئی، پھر
 جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا یہ حق ہے اور خبر مشہور سے ثابت ہے اس کا منکر بدعتی کہلائے گا۔“

علامہ سعد الدین تفتازانی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:
 ”وبالجملة من لا يرى المسح على الخفين فهو من أهل البدعة، حتى سئل انس بن
 مالك رضى الله عنه عن أهل السنة والجماعة فقال: ان تحب الشيخين ولا تطعن في
 الختین وتمسح على الخفين“ (شرح عقائد، ص: ٩١)

”حاصل کلام یہ ہے کہ جو مسیح علی الخفین کو جائز نہ سمجھے وہ بدعتی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اہل سنت و جماعت کی علامت پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ شیخین سے محبت کرنا اور ختنین پر طعن و تشنیع نہ کرنا اور مسیح علی الخفین کو جائز سمجھنا۔“

مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”موت... تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے صرف آنی ہے، ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ قطعاً یقینیہ، ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت سے ہے، اس کا منکر نہ ہوگا مگر بد مذہب، گمراہ۔“
(ملفوظات، ص: ۵۰۵)

ضروریاتِ اہل سنت کا حکم

ضروریاتِ اہل سنت کا منکر گمراہ، بد مذہب، بد دین ہوگا کافر نہ ہوگا اسی وجہ سے اس کے لیے دخول فی النار ہے غلود فی النار نہیں۔

مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”دوم ضروریاتِ عقائدِ اہل سنت، ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بد مذہب، بد دین کہلاتا ہے۔“

(اعتقاد الاحباب: ص: ۸۱)

مولانا حامد رضا قادری بریلوی لکھتے ہیں:

”ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت و جماعت جن کا منکر گمراہ، بد مذہب“ (فتاویٰ حامدیہ، ص: ۱۳۴)

مولانا حامد رضا قادری بریلوی لکھتے ہیں:

”قسم ثانی یعنی ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت و جماعت سے ہے جس کا منکر گمراہ، خاسر، بد مذہب، فاجر“
(الصارم الربانی مشمولہ، فتاویٰ حامدیہ، ص: ۱۴۲)

اہل قبلہ کی تعریف:

کسی شے کا حکم دراصل اس شے کا وصف ہوتا ہے اور شے کا وصف شے کے بعد ہوا کرتا ہے۔
اس لیے مسلمان کے لیے حکم تکفیر جاننے سے قبل اہل قبلہ (مسلم) کی معرفت ضروری ہے۔
اہل قبلہ کی تعریف کرتے ہوئے ملا علی قاری (وفات: ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

”ان المراد بأهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم
وحشر الأجساد وعلم الله بالکليات والجزئيات وما أشبه ذلك من المسائل“

(شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۹)

”اہل قبلہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ضروریات دین سے متفق ہوں جیسے عالم کا حدوث، حشر اجسام، اللہ
تعالیٰ کا عالم کلی و جزئی ہونا وغیرہ۔“

بعینہ اسی طرح کی تعریف علامہ سعد الدین تفتازانی (وفات: ۷۹۲ھ) نے کی ہے، لکھتے ہیں:

”ان الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الاسلام كحدوث العالم وحشر الأجساد وما
اشبه ذلك“ (شرح المقاصد: ۲/۲۶۹)

”متکلمین حضرات درج ذیل باتوں کے ضروریات دین ہونے پر متفق ہیں جیسے عالم کا حادث ہونا،
جسم کا دوبارہ زندہ ہونا اور اسی کے مانند چیزیں۔“

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (وفات: ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:

”ان المراد بأهل القبلة في هذه القاعدة هم الذين لا ينكرون ضروريات الدين لا من
يوجه وجهه الى القبلة في الصلاة، فمن أنكر ضروريات الدين لم يبق من أهل القبلة“

(فتاویٰ عزیز، ص: ۴۳)

”اہل قبلہ سے وہ حضرات مراد ہیں جو ضروریات دین کا انکار نہ کریں، یہ معنی نہیں ہے کہ جو نماز میں
قبلہ رو متوجہ ہوں۔ لہذا ضروریات دین کا جو بھی منکر ہو گا وہ اہل قبلہ میں شمار نہ ہوگا۔“

ابن ابی العز جنتی دمشق لکھتے ہیں:

”والمراد بقوله (أهل قبلتنا) من يدعى الاسلام ويستقبل الكعبة وان كان من أهل الأهواء أو من أهل المعاصي ما لم يكذب بشيء مما جاء به الرسول“

(شرح الطحاویہ: ۱/ ۳۱۳)

”اہل قبلہ سے مراد وہ ہے جو مسلمان ہونے کا مدعی ہو، کعبہ کو قبلہ جانے، اگرچہ وہ گمراہ و گناہ گار ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے فرامین کو جھٹلانے والا نہ ہو۔“

مذکورہ تمام عبارتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اہل قبلہ (مسلمان) ہر وہ شخص کہلائے گا جو دین کی تمام ضروریات کا اقرار کرتا ہو کسی ایک کا بھی منکر نہ ہو، ورنہ وہ اہل قبلہ نہ ہوگا۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ

اہل قبلہ کی تعریف سمجھ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔ ہاں ضروریات دین میں سے کسی ایک کا منکر ہو تو وہ اہل قبلہ ہی سے نہیں ہے۔ اور اکابر کے اقوال میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حتی الامکان تکفیر جیسے خطرناک امر سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور اگر کسی مسلم کے قول میں متعدد طرح سے کفر لازم آتا ہو اور کوئی ایک صورت بھی ایمان کی ہو تو اس کے قول کو ایمان پر ہی محمول کرنا چاہیے۔ یہی قول امام ابو الحسن اشعری (وفات: ۳۲۴ھ) ابو منصور ماتریدی (وفات: ۳۳۳ھ) امام ابو حنیفہ (وفات: ۵۰ھ) امام سعد الدین تفتازانی، حجت الاسلام امام غزالی اور جمہور فقہاء و متکلمین کا ہے۔

علامہ سید شریف جرجانی (وفات: ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں:

”جمہور المتکلمین والفقہاء علی أنه لا یکفر أحد من أهل القبلة“

(شرح المواقف ص: ۷۲۶)

”جمہور متکلمین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے گی۔“

علامہ سعد الدین تفتازانی ”منتقى“ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”وفى المنتقى عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى أنه لم يكفر أحد من أهل القبلة وعليه أكثر الفقهاء“ (شرح المقاصد: ۲/۲۶۹)

”منتقى“ میں حضرت امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ اکثر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔“

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

”وقال القاضى عضد الدين فى المواقف ولا يكفر أحد من أهل القبلة الا فيما فيه نفي الصانع القادر العليم أو شرك أو انكار للنبوّة أو ما علم مجيئه بالضرورة أو المجمع عليه كاستحلال المحرمات وأما ما عداه فالقائل به مبتدع لا كافر“ (شرح فہم اکبر ص: ۱۹۹)

”قاضی عضد الدین (وفات: ۷۵۶ھ) ”مواقف“ میں لکھتے ہیں کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ ہاں وہ چیز جو ضروریات دین میں سے ہو یا جس پر اجماع قطعی ہو، اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔ اور جو چیز ضروریات دین میں سے نہ ہو اس کے قائل کو بدعتی کہا جائے گا کافر نہیں۔“

امام غزالی ”الاقتصاد“ میں فرماتے ہیں:

”والذى ينبغى أن يميل المحصل اليه الاحتراز من التكفير ما وجد اليه سبيلا فان استباحة الدماء والأموال من المصلين الى القبلة المصرحين بقول لا اله الا الله محمد رسول الله خطأ، والخطأ فى ترك الف كافر فى الحياة أهون من الخطأ فى سفك محجمة من دم مسلم“ (الاقتصاد فى الاعتقاد: ۱/۱۳۵)

”حتی الامکان کسی کی تکفیر کرنے سے احتراز کرنا چاہیے کیوں کہ مسلمان کے خون اور مال کا مباح جاننا خطا ہے۔ ایک ہزار غیر مسلم کو زندہ رکھنے میں خطا کرنا کسی بے گناہ مسلمان کے خون بہانے میں خطا کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔“

ابن ابی العز حنفی دمشقی لکھتے ہیں:

”ولیس اذاً خطاً یقال: انه کافر قبل أن تقام علیه الحجة التي حکم الرسول بکفر من ترکها والله تعالیٰ قد عفا لهذه الامة عن الخطأ والنسيان، ولهذا ذم السلف أهل الأهواء، وذكروا أن آخر أمرهم السیف“ (شرح العقيدة الطحاویہ: ۱/۲۰۲)

”خاطی کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک کہ حجت قطعی اس کے خلاف قائم نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی خطا و نسیان کو معاف کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے سلف صالحین نے بدعتیوں کی مذمت کی ہے اور ان سے صرف جنگ جائز رکھا ہے۔“

فقہاء و متکلمین حضرات کی مذکورہ تمام عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ جو شخص اہل قبلہ میں سے ہو، ضروریات دین کا اقرار کرتا ہو، اجماع قطعی کا منکر نہ ہو، حلال کو حلال اور حرام کو حرام تصور کرتا ہو۔ ایسے شخص کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک کہ اس کے خلاف حجت قطعی قائم نہ ہو جائے۔

علامہ ابن عابدین شامی ”شرح منیۃ المصلی“ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”إن ساب الشيخين ومنكر خلافتهم ممن بناه على شبهة له لا يكفر“ (رد المحتار: ۴/۲۶۳)

”اگر شبہ کی وجہ سے شیخین کو برا بھلا کہے یا ان کی خلافت کا انکار کرے تو تکفیر نہ کی جائے گی۔“

علامہ ابن عابدین شامی ”فتاویٰ صغریٰ“ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لا يكفر“

”کفر ایک عظیم چیز ہے میں کسی مومن کو کافر نہیں کہہ سکتا، جب کہ عدم تکفیر کی روایت ہو۔“

(رد المحتار: ۴/۲۲۳)

اہل قبلہ کی تکفیر کے متعلق متکلمین کا نظریہ

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

”ان سب الشیخین وقتلہما لیس بکفر فان سب المسلم فسق کما فی حدیث ثابت“
(شرح فقہ اکبر: ۸۶)

”امام ابو حنیفہ نے اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔“
خواہ وہ اہل معصیت ہوں یا اہل بدعت اور امام اعظم کا یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ
حضرت ابو بکر و عمر کو بھی سب کرنا کفر نہیں ہے مسلمان کو سب کرنا فسق ہے جیسا کہ حدیث میں وارد
ہے۔“ (شرح فقہ اکبر ص: ۸۶)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

”و سب احد من الصحابة و بغضه لا یكون کفر الکن یضلل“ (رد المحتار: ۴/۲۳۷)
”اور کسی صحابی کو سب و شتم کرنا اور ان سے بغض رکھنا کفر نہیں ہے، ہاں اسے گمراہ کہا جائے گا۔“

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

”لیس بکافر مالہ یخالف ما هو من ضروریات الدین کحدوث العالم و حشر الأجساد
.... أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و من بعده لم یکنوا یفتشون عن العقائد و ینبھون علی
ما هو الحق“ (شرح مقاصد: ۵/۲۲۷)

”ضروریات دین مثلاً عالم کا حادث ہونا، اجسام کا دوبارہ زندہ ہونا وغیرہ کا جو شخص منکر نہ ہو وہ کافر نہیں ہے،
اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے بعد صحابہ کسی کے عقیدہ کی تحقیق و تفتیش نہیں کیا کرتے تھے۔“

امام ابو بکر باقلانی (وفات: ۴۰۳ھ) کے حوالے سے ”فتاویٰ سبکی“ میں ہے:

”ولا یکفر بقول ولا رأی الا اذا جمع المسلمون انه لا یوجد الا من کافر و یقوم دلیل

علی ذلك في كفر“ (فتاویٰ السبکی: ۵۷۸/۲)

”کسی کے قول یا رائے سے تکفیر نہیں ہوتی ہے ہاں! اگر مسلمانوں کا اتفاق ہو کہ ایسی بات کافر ہی سے ہوتی ہے اور اس کے کفر پر دلیل ہو تب تکفیر کی جائے گی۔“

حجتہ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں:

”الوصية أن تكف لسانك عن أهل القبلة وما أمكنك ما داموا قائلين لا اله الا الله محمد رسول الله غير مناقضين لها.... فان التكفير فيه خطر والسكوت لا خطر فيه“

(فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة ص: ۱۲۸)

”میری وصیت یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اہل قبلہ کی تکفیر سے احتراز کرو اس لیے کہ تکفیر میں عظیم خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔“

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

”والذي تحرز انه لا يفتى بتكفير مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن أو كان في كفره اختلاف، ولورواية ضعيفة“ (البحر الرائق: ۵/۱۳۵)

”جب تک کسی مسلمان کے کلام کو اچھے معنی پر محمول کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو اگرچہ ضعیف روایت کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو کم کفر نہیں لگایا جائے گا۔“

مولانا امام احمد رضا خان فاضل بریلوی ”سبحان السبوح“ میں فرماتے ہیں:

”امام الطائفة اسماعیل دہلوی (وفات: ۱۲۴۶ھ) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن و جلی اور حکم اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف سے ضعیف محمل بھی نہ رہے۔“ (مشمولہ فتاویٰ رضویہ جدید: ۱۵/۴۳۰)

کثرت تکفیر بدعتی کی علامت

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

”فمن عیوب أهل البدعة أنه يكفر بعضهم بعضا ومن مما دح أهل السنة والجماعة أنهم يخطئون ولا يكفرون“ (شرح فتنہ اکبر، ص: ۲۰۱)

”بدعتی کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کی خوبی یہ ہے کہ وہ خطا کار کہتے ہیں تکفیر نہیں کرتے۔“

علامہ ابن ابی العز جہفی دمشقی لکھتے ہیں:

”فمن عیوب أهل البدع تكفير بعضهم بعضا، ومن مما دح أهل العلم أنهم يخطئون ولا يكفرون“ (شرح العقیدۃ الطحاویہ: ۱/۲۰۵)

”بدعتی کا ایک عیب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اہل علم کی خوبی یہ ہے کہ وہ خطا کار کہتے ہیں تکفیر نہیں کرتے۔“

حکم تکفیر پر مرتب ہونے والے اثرات

کسی شخص پر حکم تکفیر عائد ہونے کا مطلب مندرجہ ذیل امور کا اس پر نافذ ہونا ہے۔

(۱) اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، کیوں کہ مسلمہ کافر کے نکاح میں نہیں رہ سکتی ہے، یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(۲) اس کی مسلم اولاد اس کے ماتحت باقی نہ رہے گی، کیوں کہ وہ اولاد اس کے ہاتھ میں غیر محفوظ ہوں گی۔ اور یہ خطرہ ہوگا کہ اس کا عقیدہ اس میں مؤثر ہو جائے۔

(۳) کفر صریح کے ثبوت کے بعد اسلامی سوسائٹی کی ولایت کا حق اس سے منسلوب ہو جائے گا۔

(۴) قاضی اسلام پر اس کا فیصلہ اور ارتداد کا حکم واجب ہوگا۔ اس سے توبہ طلب کی جائے گی اور انکار کی صورت میں واجب القتل اور مباح الدم ہوگا۔

(۵) جب وہ فوت ہو جائے تو اسلامی احکام اس پر جاری نہ ہوں گے، لہذا اسے نہ غسل دیا جائے، نہ جنازہ پڑھی جائے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔
(۶) اور اسی حالت پر مر جائے تو اللہ تعالیٰ کی لعنت اور خلود فی النار کا مستحق ہو۔
(۷) اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا حرام ہو جائے گی۔

ارشاد الہی ہے:

{مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ} (التوبة: ۱۱۳)

”نبی اور اہل ایمان کے لائق نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے طلب مغفرت کریں اگرچہ وہ قرابت دار ہوں جب کہ ان پر یہ واضح ہو گیا کہ وہ جہنمی ہیں۔“

(۸) اس کی جان و مال مباح الدم، اس کے قتل پر قصاص نہیں۔

(۹) حکم تکفیر نافذ کرنے والا گویا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخشے گا نہ رحم کرے گا بلکہ بعد موت ہمیشہ جہنم میں رکھے گا۔

اب آج ہندو پاک میں جو فرد یا گروہ علمائے کرام پر تکفیر کا حکم نافذ کرتے ہیں گویا اس کے دائمی دوزخی اور مذکورہ تمام دفعات کا حکم لگاتے ہیں، ہاں وہ مجرم اس عذاب سے بچ سکتا ہے جب کہ توبہ کر لے اور اپنے ایمان کو حکم تکفیر نافذ کرنے والے افراد یا گروہ کے منشا کے مطابق کر لے۔

تکفیر مسلم کے قواعد و اصول

کسی مسلمان کو کافر کہنے اور دائرۃ اسلام سے خارج کرنے کے لیے شریعت مطہرہ نے کچھ ضابطے مقرر کیے ہیں۔ جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

قاعدہ: (۱) زبان سے شہادتین کے اقرار کے بعد انسان اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور اسلامی احکام اس پر جاری ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ قلب سے اقرار نہ کرے، کیوں کہ ہمیں ظاہر پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور سرانژ کو اللہ کے سپرد کرنے کی تائید کی گئی ہے۔ دلیل حسب ذیل ہے۔

دلیل (۱): آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہادتین کے بعد اسلام قبول فرما لیتے، اوقات نماز، رمضان کا مہینہ یا دوسری عبادتوں کے آنے کا انتظار نہ کرتے اور شہادتین کو ہی ایمان کے لیے کافی سمجھتے تھے۔

دلیل (۲): حدیث اسامہ بن زید عن البخاری کہ وہ عین حالت جنگ میں ایک کافر پر قابو پا گئے اور تلوار کھینچ لیا کہ اس نے ”لا الہ الا اللہ“ پڑھ لیا۔ اس کے باوجود حضرت اسامہ نے اس کو قتل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا: ”هلا شققت عن قلبه“ ”اس کے دل کو چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا۔“

”اکفار المملحنین“ میں علامہ ابن حجر عسقلانی (وفات: ۸۵۲ھ) کے حوالے سے ہے:

”المراد فی الحکم بالکفر علی الظواہر ولا نظر للمقصود والنیات ولا نظر لقرائن حاله“
”حکم تکفیر کا مدار ظاہر پر ہے نیت، مقصود اور قرینہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔“ (۹۱/۱)

درج ذیل آیت کریمہ سے بھی اس پر روشنی ملتی ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا} (النساء: ۹۴)

”اے ایمان والو! جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔“

امام جلال الدین سیوطی (وفات: ۹۱۱ھ) اس آیت کریمہ کا سبب نزول لکھتے ہیں:

”وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَائِيُّ عَنْ أَسَامَةَ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَصَبَحْنَا الْحِرَقَاتِ مِنْ جَهَنَّمَ فَأَدْرَكَتْ رَجُلًا فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَطَعَنَتْهُ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ فَذَكَرْتَهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَتَلْتَهُ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا قَالَهَا فِرْقَانِ السِّلَاحِ قَالَ: أَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ قَالَهَا أَمْ لَا فَمَا زَالَ يَكُرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمْنَيْتَ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ“ (الدر المنثور في التفسير: ۶۳۷/۲)

”حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ میں جنگ میں ایک شخص پر قادر ہو گیا تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا میں نے اس خیال سے کہ یہ خوف سے پڑھ رہا ہے اسے قتل کر دیا، جنگ سے واپسی پر اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تو نے کلمہ پڑھنے کے باوجود اسے قتل کر دیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، آپ نے ارشاد فرمایا: تو نے اس کا دل کیوں نہیں چیر لیا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی، آپ نے اسے اتنی بار فرمایا کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش آج میں مسلمان ہوتا۔“

علامہ ابن وزیر حسنی قاسمی (وفات: ۸۴۰ھ) کہتے ہیں:

”ان التكفير سمعي محض لا مدخل للعقل فيه.... ان الدليل على الكفر والفسق لا يكون الا سمعيا قطعيا“ (العواصم والتقواصم: ۴/۱۷۸ تا ۱۷۹)

”بے شک تکفیر ایک سمعی امر ہے عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے، کسی کے کفر و فسق پر سمعی اور قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔“

محمی السنہ بغوی (وفات: ۵۱۶ھ) ”شرح السنہ“ میں لکھتے ہیں:

”وفى الحديث دليل على أن أمور الناس فى معاملة بعضهم بعضا إنما تجرى على الظاهر من أحوالهم دون باطنها“ (شرح السنہ: ۷۰/۱)

”حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ لوگوں کے ساتھ معاملات کا دار و مدار صرف ظاہر پر ہے اس کے باطن سے قطع نظر کرتے ہوئے۔“

امام شاطبی (وفات: ۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:

”ان سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم مع اعلامہ بالوحی یجری الأمور علی ظواہرہافی المنافقین وغیرہم وان علم بواطن أحوالہم“ (المواقفات: ۲/۴۶۷)
 ”نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم تھا، اس کے باوجود ظاہر ہی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم نافذ کرتے تھے۔“

قاعدہ: (۲) جو شخص توحید پر وفات پائے اور ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار نہ کرے وہ عند اللہ دوام کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (۱) خلود فی النار سے نجات (۲) دخول فی الجنة لا محالہ۔

اس قاعدہ کی دلیل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (وفات: ۳۲ھ) کی یہ روایت ہے:
 ”عن أبي ذر قال أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما من عبد قال: لا اله الا الله ثم مات على ذلك الا دخل الجنة“ (بخاری: ۱۴۹/۷)

”میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ توحید پر وفات پائے وہ جنتی ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۹۳ھ) سے مروی ہے:

”عن انس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يخرج من النار من قال لا اله الا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن برة“ (سنن ترمذی: ۴/۲۹۲)

”حضور نے فرمایا: گندم کے وزن کے برابر بھی جس کے دل میں ایمان ہوگا اسے جہنم سے نکالا جائے گا۔“

قاعدہ: (۳) انسان شہادتین کے اقرار کے بعد اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے تمام احکام اس پر لازم ہو جاتے ہیں۔ اور اسے ترک و انتخاب کا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔ اگر وہ احکام، واجبات، محرمات یا عقوبات کے قبیل سے ہوں، جن کا ثبوت قطعی دلیل سے ہوتا ہے، جس

میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے، جسے علمائے اسلام ضروریاتِ دین کا نام دیتے ہیں مثلاً نماز، روزہ کی فرضیت وغیرہ تو ایسے احکام کے انکار یا استخفاف کی صورت میں اس پر کفر و ارتداد کا حکم لگایا جائے گا۔

قاعدہ: (۴) گناہِ کبیرہ سے ایمان میں نقص پیدا ہوتا ہے، نفسِ ایمان ختم نہیں ہوتا ہے۔ اس کی تائید میں قرآن و سنت میں سیکڑوں نصوص موجود ہیں مثلاً (۱) معاصی اگر نفسِ ایمان کو منہدم کرنے والے ہوں تو اس کا مرتکب کافر ہو جائے گا۔ اور ایسی صورت میں معصیت اور ردّت دونوں ایک چیز ہو جائے گی۔ اور عاصی مرتد ہو گا۔ واجب ہو گا کہ مرتد کی جو سزا ہے اس کو دی جائے حالانکہ یہ نص اور اجماع کے خلاف ہے۔ (۲) قتلِ گناہِ کبیرہ ہے اور آیتِ قصاص میں قاتل کو مقتول کے اولیا کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ الہی ہے {فَمَنْ غَفَى لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ} (البقرة: ۱۷۸) تو جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی۔

(۳) مسلمانوں کا آپس میں جنگ کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایسی دو جماعت کو جو ایک دوسرے سے جنگ کرتی ہیں، وصفِ ایمان سے متصف کیا ہے ارشادِ الہی ہے: {وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا} (الحجرات: ۹) اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ (۴) شراب جو امِ الجناہ ہے ایک صحابی نے نوش کر لیا، حضور نے ان پر حد لگانے کا حکم دیا، لوگ حد لگا کر لوٹے تو اس پر لعن و طعن کرنے لگے۔ اس کی اطلاع حضور کو ملی تو فرمایا:

”لَا تَكُونُوا عَوْنَ الشَّيْطَانِ عَلَى أَخِيكُمْ وَاللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَفْوٌ بِحَبِّ الْعَفْوِ“ (مسند احمد: ۸۵/۷)

”اپنے بھائی کے خلاف شیطان کا تعاون نہ کرو بلکہ ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرو اللہ بخشنے والا ہے اور بخشنے کو پسند کرتا ہے۔“

قاعدہ: (۵) آیاتِ قرآنیہ اور احادیث میں جو کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی دو صورت ہے (۱) کفرِ اکبر (۲) کفرِ اصغر، پہلی صورت میں انسان ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو کر خود فی النار کا

مستحق ہو جاتا ہے۔ اور دوسری صورت میں منہی عنہ کے ارتکاب پر اس لفظ کا اطلاق ہو جاتا ہے مثلاً آیت کریمہ {فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ} (البقرة: ۲۵۳) تو ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا۔ اس آیت میں کفر پہلے معنی میں مستعمل ہوا ہے اور {وَمِنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ} (المائدة: ۴۴) جو شخص اللہ کی نازل کردہ آیت کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ نافرمان ہے۔ {وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ} (النمل: ۴۰) جو شکر ادا کرے تو اپنے لیے کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو یقیناً میرا رب بے نیاز اور سب خوبیوں والا ہے۔ ان دونوں آیت میں کفر دوسرے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

”من حلف بغير الله فقد كفر“ (مسند احمد: ۱۰/۲۴۹)

”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا۔“

”سباب المسلم فسوق وقتاله كفر“ (بخاری: ۱۹/۱)

”مسلمان کو سب و شتم کرنا فحش ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔“

”يكفرون العشيرة ويكفرون الاحسان“ (بخاری: ۱۵/۱)

”وہ شوہر کی نافرمانی کرتی ہیں اور احسان فراموش ہیں۔“

مذکورہ تمام نصوص میں کفر دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ آخری حدیث کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:

”وقد ورد الكفر في الشرع بمعنى جحد النعم وترك شكر المنعم“ (فتح الباری: ۱۰/۴۶۶)

”شریعت میں کفر احسان فراموشی کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔“

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

”وما يشك انه ردة لا يحكم بها الا اسلام الثابت لا يزول بالشك“ (رد المحتار: ۴/۲۲۱)

”مرتد ہونے کا شک ہو تو حکم ارتداد نہیں لگائے گئے، کیوں کہ اسلام یقینی طور پر ثابت ہے جو شک سے زائل نہیں ہوگا۔“

قاعدہ: (۶) اسلام دلیل قطعی سے ثابت ہے تو حکم کفر کے لیے بھی دلیل قطعی چاہیے دلیل ظنی اور عقلی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اسی وجہ سے سلف تکفیر سے دور تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ (وفات: ۴۰ھ) سے خارجیوں کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا ہم انہیں کافر یا منافق کہہ سکتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا:

”وانما هم اخواننا بغوا علينا“ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۸/۳۰۰)

”وہ ہمارے دینی بھائی ہیں جو باغی ہو گئے ہیں۔“

قاعدہ: (۷) تکفیر مطلق و معین: تکفیر مطلق یہ ہے کہ جب کسی اعتقاد، قول، فعل، شک، شرک وغیرہ جو ناقض اسلام ہیں، اس کا کوئی مرتکب ہو تو یہ کہا جاتا ہے۔ ایسے قول و فعل کا قائل کافر ہے۔ اور تکفیر معین یہ ہے کہ ان امور کی وجہ سے کسی معین شخص کی تکفیر کی جائے۔ اس دوسری صورت میں حکم تکفیر سے قبل وجود شرط اور انتقائے موانع کا ہونا ضروری ہے، ورنہ اس معین کی تکفیر نہ کی جائے گی اگرچہ اس کا قول کفریہ ہو۔

قاعدہ: (۸) علما کا اجماع ہے کہ قول و فعل کا کفر کو لازم قائل و فاعل کی تکفیر کو مستلزم نہیں ہے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے قائل اس میں تاویل کر رہا ہو۔ اور قاعدہ ہے:

”الحدود تدور بأبوالشبهات“ (الاشیاء والنظائر لابن نجیم: ۱/۱۰۸)

”شبہ کی وجہ سے سزا ساقط ہو جاتی ہے۔“

قاعدہ: (۹) ایمان و کفر دو متضاد امر ہیں۔ ایمان، تصدیق اور کفر، تکذیب کو کہتے ہیں۔ تو جو ضروریات دین کا مکمل بھگوا ہو، کافر ہے، ورنہ مومن ہے اور جو تاویل میں خطا کرے تو اس کا موجب کفر ہونا ثابت نہیں ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

”ولم یثبت لنا أن الخطأ فی التأویل موجب للتکفیر فلا بد من دلیل علیہ“ (الاقتصاد: ۱/۱۳۶)

”تاویل میں خطا کرنا تکفیر کا سبب ہے، یہ امر غیر ثابت شدہ ہے جس کے لیے دلیل چاہیے۔“

مواعی تکفیر

سلف نے مسئلہ تکفیر میں احتیاط کا دامن تھا ماہیہ گمراہ فرقے، جن کے اقوال و نصوص، سیکڑوں کفر پر مشتمل ہیں، ان کی تکفیر سے بھی انھوں نے احتراز کیا کہ انسان کلمہ توحید کا اقرار کر کے دائرۃ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کفر کا کوئی شائبہ اس میں پایا جائے تو ہمیں اس کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے۔ اور یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ اس کی جہالت اور عدم فہم کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بھی کہ یہ شخص اس کلام سے ایمان سے نکلنا نہیں چاہتا ہے، نہ یہ کہ فوراً قول دیکھ کر تکفیر کا حکم صادر کر دیں۔ اب ذیل میں وہ چند امور ذکر کیے جا رہے ہیں، جن کے ہوتے ہوئے تکفیر کا حکم صادر کرنا درست نہیں ہے۔

(۱) جہالت: بغیر علم کے کسی حرام یا واجب کا انکار کرنا یا اعتقاد رکھنا مثلاً یہ کہ نماز واجب نہیں ہے یا اللہ تعالیٰ خسر اجساد پر قادر نہیں ہے، یہ صراحتاً کفر ہے، مگر وہ مسلمان جو ایسے خطے میں رہتا ہے جہاں دعوت اسلام نہ پہنچی ہو یا وہ شخص نو مسلم ہو تو اس کا عذر جہل مقبول ہے۔ (دور حاضر میں یہ صورت عموماً مفقود ہے) اور یہ قابل مغفرت ہے اور جو مسلمانوں کے مابین ہو اس کا یہ عذر غیر مقبول ہے۔

”نواقض الایمان الاعتقادیہ“ میں، امام ذہبی (وفات: ۷۴۸ھ) کے حوالے سے ہے:

”وقد كان سادة الصحابة بالحشة ينزل الواجب والتحريم على النبي صلى الله عليه وسلم فلا يبلغهم الا بعد أشهر فهم في تلك الأمور معذرون بالجهل حتى يبلغهم النص وكذا يعذر بالجهل من لم يعلم حتى يسمع النص“ (نواقض الایمان: ۱/۱۶۴)

”معزز صحابہ کرام حبشہ میں تھے اور واجب و حرمت کا حکم نازل ہوتا رہتا تھا۔ ان کو مہینوں بعد یہ بات معلوم ہوتی، تو وہ لوگ ان معاملات میں عدم علم کی وجہ سے معذور تھے۔ یہاں تک کہ نص ان کے پاس پہنچتی۔ ایسے ہی ہر وہ شخص معذور سمجھا جائے گا، جس تک نصوص نہ پہنچے ہوں۔“

حافظ ابن تیمیہ (وفات: ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

”اتفق الائمة على أن من نشأ ببادية بعيدة عن أهل العلم والإيمان وكان حديث العهد بالاسلام فأنكر شيئاً من هذه الأحكام الظاهرة المتواترة فإنه لا يحكم بكفره حتى يعرف ما جاء به الرسول“ (مجموع الفتاوى: ۱۱/۴۰۷)

”ائمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص اہل علم سے دور کسی وادی میں رہتا ہو یا نو مسلم ہو اور کسی ضروریات دین کا منکر ہو، تو اس پر حکم تکفیر اس وقت تک نافذ نہ کریں گے جب تک کہ اسے اس بات کا علم نہ ہو جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔“

(۲) خطا: بغیر قصد و ارادہ کے کلمات کفریہ صادر ہو گیا ہو، تو یہ عذر بالخطا بھی مسموع ہے۔ شرط یہ ہے کہ خطا کرنے والا درنگی کا ارادہ رکھتا ہو، ورنہ قابل مواخذہ ہے۔

ارشاد الہی ہے:

{وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَتَّعِمَتْ قُلُوبُكُمْ} (الاحزاب: ۵)
”اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادر ہوا ہاں وہ گناہ ہے جو دل کے قصد سے کرو۔“

صحیح مسلم میں ہے:

{رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا} (البقرة: ۲۸۶) اے ہمارے رب ہماری بھول چوک پر ہماری گرفت نہ فرما۔ ”قال: قد فعلت“ (رواہ مسلم فی کتاب الایمان: ۱/۱۱۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری دعا کو قبول کر لیا۔

ارشاد نبوی ہے:

”وضع الله عن امتي الخطأ والنسيان“ (سنن الكبرى: ۷/۵۸۴)
”اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا و نسیان کو اٹھالیا ہے۔“

(۳) اکراہ: اپنے نفس یا اہل و عیال سے اذیت شاقہ کو دفع کرنے کے لیے کفریہ کلمات یا

شریعت کے حلال کو حرام یا حرام کو حلال صرف زبان سے کہنے کو اکراہ کہتے ہیں۔ اور ایسا کہنے کی وجہ سے اس مکرمہ پر حکم کفر و فحش نافذ نہیں کیا جائے گا۔

ارشاد الہی ہے:

{مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِاِلٰيْمَانٍ} (النحل: ۱۰۶)

”جو شخص ایمان کے بعد کفر کرے، سو اس کے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔“

(۳) تاویل: غیر ضروریات دین میں تاویل مقبول ہے۔ تاویل کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

علامہ مناوی (وفات: ۱۰۳۱ھ) لکھتے ہیں

”والصواب عدم تكفير أهل الأهواء المتأولين لانهم لم يقصدوا اختيار الكفر“

(فيض القدير: ۲/۲۰۷)

”صحیح بات یہ ہے کہ تاویل کرنے والے بدعتی کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ اس لیے کہ انہوں نے قصداً کفر کو اختیار نہیں کیا ہے۔“

امام شافعی (وفات: ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

”فلم نعلم أحدا من سلف هذه الأمة يقتدى به، ولا من التابعين بعدهم رد شهادة أحد

بتأويل وإن خطأه و ضلله“ (الام: ۶/۲۲۲)

”اس امت کے کسی مقتدر عالم و تابعی کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہے، جو تاویل کرنے والے کی شہادت کو رد کرتے ہوں، ہاں اس کو غلطی اور گمراہ کہتے تھے۔“

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

”وذلك لان من النصوص ما علم قطعاً من الدين أنه على ظاهره، فتأويله تكذيب للنبي“

(شرح مقاصد: ۲/۲۶۸)

”جس بات کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا یقینی طور پر معلوم ہو، وہ اپنے ظاہر پر محمول ہوتا ہے تو اس میں تاویل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔“

تکفیر معین کے شرائط

تکفیر معین مطلق دو الگ الگ شے ہے، قول کے کفریہ ہونے کی وجہ سے تکفیر مطلق جائز ہے مثلاً یوں کہ ایسا کہنے والا شخص کافر ہے یا یہ قول کفریہ ہے۔ لیکن معین فرد کی تکفیر درست نہ ہوگی، ہاں! معین شخص کی تکفیر کے لیے درج ذیل باتوں کا لحاظ ہونا ضروری ہے۔

(۱) شخص معین اپنے کلام سے معنی کفر کا ارادہ کرے بسا اوقات لوگ ایسا لفظ بولتے ہیں جو کفر کو مستلزم ہوتا ہے، لیکن قائل کفریہ معنی کا ارادہ نہیں کرتا ہے تو ایسے شخص کی تکفیر نہ ہوگی، ہاں منع کے بعد اسے بولنے سے فاسق ہوگا۔

ارشادِ ربانی ہے:

{لَا تَقُولُوا رَاعِنَا} (البقرة: ۱۰۴)

یہود نے اس سے معنی کفر کا ارادہ کیا۔ اور صحابہ کرام اس لفظ کا اطلاق اچھا معنی سمجھ کر کرتے رہے، اللہ تعالیٰ نے ”راعنا“ کہنے سے مسلمانوں کو منع کیا لیکن ان کی تکفیر نہ کی، تو منع کے بعد مسلمانوں کے لیے راعنا کہنا حرام ہوا کفر نہیں۔

(۲) کسی فعل کے کفری ہونے سے فاعل کا کافر ہونا لازم نہیں آتا ہے۔ اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

”عن انس بن مالک لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخمر عشرة“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابی کے بارے میں دس مرتبہ لعنت فرمائی ہے۔“ (ترمذی: ۵۸۱/۳)

اس حدیث میں شرابی پر لعنت فرمائی گئی۔ لیکن ایک دوسری روایت میں شرابی پر لعن

معین سے حضور نے صراحتاً منع فرمایا۔ چنانچہ شراب نوشی کی سزا دینے کے بعد ایک صحابی نے سزایافتہ کو لعن کی۔ اس پر حضور نے فرمایا:

”لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ يَحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ (بخاری: ۸/۱۵۸)

”اس پر لعنت نہ بھیجو قسم خدا کی مجھے معلوم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔“

ارشاد الہی ہے:

{لَعَنَتِ اللَّهُ عَلَى الْكَذِبِينَ} (آل عمران: ۶۱) ”جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔“

اس آیت میں لعن مطلق کیا گیا ہے۔ اب کوئی جھوٹ بولتا ہوا پایا جائے تو اس شخص معین کو یہ کہنا کہ تم پر اللہ کی لعنت ہو درست نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی عام وصف پر کوئی حکم ہو تو لازم نہیں اس وصف سے متصف فرد خاص پر بھی وہ حکم لگانا صحیح ہو۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”وإن تكفير المطلق لا يستلزم تكفير المعين إلا إذا وجد الشر وطوانتفت الموانع“

(مجموع الفتاوی: ۱۲/۴۸۷)

”تکفیر مطلق تکفیر معین کو مستلزم نہیں ہے، ہاں! جب تکفیر معین کے شرائط اور موانع موجود ہوں۔“

ابن تیمیہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

”إن القول قد يكون كفرا فيطلق القول بتكفير صاحبه ويقال من قال كذا فهو كافر لكن

الشخص المعين الذي قاله لا يحكم بكفره حتى تقوم عليه الحجة التي يكفر تار كها“

(مجموع الفتاوی: ۲۳/۳۴۵)

”کوئی قول بھی کفر کو مستلزم ہوتا ہے تو قائل کی تکفیر اس طرح کی جاتی ہے کہ جس نے ایسا کہا وہ کافر ہے۔ لیکن متعین شخص جس نے ایسا کہا ہے اس پر اس وقت تک حکم تکفیر نافذ نہ کریں گے جب تک حجت قطعی قائم نہ ہو جائے۔“

”امام احمد جہمیہ کو کافر کہتے تھے لیکن کسی فرد متعین کو انہوں نے کافر نہیں کہا، نہ مامون کو نہ کسی

اور کو بلکہ مامون کے لیے تو استغفار کرتے تھے۔“ (ملخص مجموع الفتاویٰ: ۳۴۸/۲۳)

لزام کفر والتزام کفر

کسی کے قول سے کفر کا لازم آنا اور ہے اور اس کفر کا التزام کرنا اور ہے۔ لزوم قول قول قائل نہیں ہے، ورنہ کثیر مسلمین کی تکفیر لازم آئے گی، مثلاً کسی شخص نے ایک بدعت ایجاد کی اور بزعم خود اس کو کارِ خیر گمان کیا۔ جس سے لازم یہ آ رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رخیر کی تبلیغ میں خیانت کی۔ اور یہ گمان بلاشبہ کفر ہے جب کہ قائل اس کا اعتقاد قطعاً نہیں رکھتا ہے تو ایسے قائل کی تکفیر نہیں ہوگی۔

تحفة الاحوذی میں علامہ ابن حجر مکی (وفات: ۹۷۴ھ) کے حوالے سے ہے:

”الصواب عند اکثرین من علماء السلف والخلف انا لا نكفر أهل البدع والأهواء
الا أن أتو بمكفر صريح لا استلزامی لأن الأصح أن لازم المذهب ليس بلازم“

(تحفة الاحوذی: ۴/۳۰۲)

”علمائے سلف و خلف میں سے اکثر کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ہم بدعتیوں کی اس وقت تک تکفیر نہیں کریں گے جب تک کہ وہ صریح کفر کا ارتکاب نہ کر لے، کیوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ لازم قول قول قائل نہیں ہوتا ہے۔“

”حاشیہ معتقد“ میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

”نعم الراجح عندنا أن لا اكفار الا بالالتزام ولا نريد به أن يلتزم كونه كافرا فان أحدا من عبدة الاوثان أيضا لا يرضى لنفسه بتسمية الكافر وانما المعنى أن يلتزم انكار بعض ما هو من ضروريات الدين“ (المعتقد ص: ۲۱۳)

”ہاں! راجح ہمارے نزدیک یہ ہے کہ التزام ہی کی وجہ سے ہم تکفیر کرتے ہیں۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے کافر ہونے کا اقرار کرے، کیوں کہ ایک بت پرست بھی اس بات کو ناپسند کرتا

ہے کہ اسے کافر کہا جائے، بلکہ معنی یہ ہے کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی کے انکار کا التزام کرے۔“

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”فما كان من اللوازم يرضاه القائل بعد وضوحه له فهو قوله وما لا يرضاه فليس قوله وان كان متناقضاً“ (مجموع الفتاوى: ۲۹/۴۲)

”لازم قول سے اگر قائل راضی ہو جائے تو وہ اس کا قول ہے اور جس سے وہ راضی نہ ہو وہ اس کا قول نہیں ہے، اگرچہ اس کا قول متضاد ہو۔“

علامہ ابن وزیر حسنی قاسمی فرماتے ہیں:

”ان التكفير بالالزام ومال المذهب راء محض لم يرد به السمع لا تواتراً ولا أحاداً ولا اجماعاً“ (العواصم والقواصم: ۴/۳۶۸)

”لزم قول سے کسی کی تکفیر کرنا یہ صرف عقلی بات ہے، اس پر کوئی نص یا تواتر یا اجماع وارد نہیں ہے۔“

علامہ ابن امیر الحاج (وفات: ۷۴۷ھ) کے حوالے سے ”اکفار الملحدین“ میں ہے:

”والحاصل في مسألة اللزوم والالتزام ان من لازم من رايه كفر لم يشعربه و اذا وقف عليه أنكر اللزوم و كان في غير الضروريات و كان اللزوم غير بين فهو ليس بكافر“ (۱/۷۳)

”لزم اور التزام کے مسئلہ کا ما حاصل یہ ہے کہ جس کی رائے پر کفر لازم آتا ہو اور اس کا اسے شعور نہ ہو۔ اور علم کے بعد وہ لزم قول کا منکر ہو اور وہ امر غیر ضروریاتِ دین میں سے ہو اور یہ لزوم مبہم ہو تو وہ کافر نہیں ہے۔“

مولانا امام احمد رضا خان فاضل بریلوی ”سل السیوف الہندیہ“ میں لکھتے ہیں:

”لزم والتزام میں فرق ہے اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا، حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔“

(مشمولہ فتاویٰ رضویہ جدید: ۱۵/۲۵۶)

متاویلین کی تکفیر کا مسئلہ

قرآن و سنت کی عبارتوں اور نصوص میں تاویل کرنے والے کی تکفیر درست ہے یا نہیں؟
اس کو جاننے سے قبل تاویل کے متعلق بنیادی باتوں کو جاننا ضروری ہے۔

تاویل کا لغوی معنی:

ابن منظور انصاری افریقی (وفات: ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

”الاول: الرجوع آل الشئ یؤول أولا وما لا: رجوع“

”تاویل کا لغوی معنی کسی چیز سے رجوع کرنا ہے۔“ (لسان العرب: ۱۱/۳۲)

تاویل کا اصطلاحی معنی:

علم تفسیر میں تاویل، تفسیر کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اور متکلمین، فقہاء اور اصولیین کے
نزدیک تاویل کی تعریف یہ ہے۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”أحدها: وهو اصطلاح كثير من المتأخرين من المتكلمين في الفقه وأصوله: إن التأويل

هو صرف اللفظ عن الاحتمال الراجح الى الاحتمال المرجوح، لدليل يقترب به“

”متأخرین متکلمین کی اصطلاح میں تاویل، لفظ کو کسی قرینہ کی وجہ سے راجح احتمال سے مرجوح

احتمال کی جانب پھیرنے کو کہتے ہیں۔“ (مجموع الفتاوی: ۳/۵۵)

مقبول و عدم مقبول کے اعتبار سے تاویل کی درج ذیل قسمیں ہیں:

”أن العلماء قسموا التأويل على ثلاثة أقسام (۱) تأويل هو المراد من النص (۲) تأويل

قريب أي له وجه في اللغة (۳) تأويل مستحيل غير معتبر“ (التكفير حكمه وضوابطه: ۱/۵۴)

”علمائے تاویل کی تین قسمیں کی ہیں: (۱) ایسا معنی جو مراد نص ہو (۲) ایسی تاویل کہ لغت میں جس کی کوئی نظیر ہو (۳) ایسی تاویل جو محال اور غیر معتبر ہو۔“

پہلی صورت بالاتفاق معتبر ہے جیسے آیت {عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ} (الزمر: ۵۶) میں جنب سے حق اللہ مراد ہے (اقاویل الثقات: ۱/۶۵)

اور دوسری صورت معتبر ہے اس شرط کے ساتھ کہ کوئی قرینہ موجود ہو یا وہ تاویل کلام عرب کے اصول کے مطابق ہو جیسے ید کی تاویل قدرت سے (ایضاح الدلیل: ۱/۶۲) اور تیسری صورت بالاتفاق غیر معتبر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کی تاویل امام زمانہ سے یا ”لا اله الا الله“ کی تاویل ”لا امام الا امام الزمان“ سے۔ (ایثار الحق علی الخلق: ۱/۱۲۳)

اسی بحث کو بلفظ دیگر آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ صریح کی دو صورت ہے صریح متبیین، صریح متبیین۔ اول ایسا کلام جس کا ظاہری معنی کفر ہے اور کوئی تاویل قریب بھی نہیں اگرچہ تاویل بعید موجود ہو۔ اسے صریح متبیین کہتے ہیں۔ ایک مثال کے ذریعہ اس کو یوں سمجھیں کہ لفظ طلاق نکاح کو ختم کرنے کے معنی میں صریح ہے کہ اس لفظ کو عورت کی طرف منسوب کیا جائے تو ہر شخص یہی سمجھتا ہے۔ لیکن اس کا دوسرا معنی بندش، گرہ کھولنا بھی ہے۔ لیکن یہ معنی بعید ہے اور معنی بعید عند الفقہاء معتبر نہیں ہے۔ اس کے مراد ہونے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہے۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس لفظ سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر وہ کہے کہ میری نیت یہ تھی تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن چوں کہ اس میں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے اور اس نے اس کی نیت کی ہے تو عند اللہ معتبر ہے۔

برہان الدین مرغینانی (وفات: ۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

(أنت طالق) لا يفتقر إلى النية لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال ولو نوى الطلاق عن وثاق لم يدين في القضا لأنه خلاف الظاهر ويدين فيما بينه وبين الله تعالى لأنه نوى ما يحتمله“ (الهداية: ۱/۲۲۵)

”لفظ طلاق نیت کا محتاج نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ لفظ غلبہ استعمال کی وجہ سے نکاح کو ختم کرنے کے معنی

میں صریح ہے۔ اگر کوئی شخص طلاق سے بندش کھولنے کی نیت کر لے تو قضاء اس کی اس نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیوں کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے لیکن عند اللہ اس کا اعتبار ہوگا کیوں کہ اس نے محتمل کی نیت کی ہے۔“

اب ما حاصل یہ ہوا کہ صریح کا ایک معنی یہ ہے کہ اس کا ظاہری معنی بھی ہے اور ایک خفی معنی بھی ہے جیسے طلاق نکاح ختم کرنے کے معنی میں ظاہر اور بندش کھولنے کے معنی میں خفی۔ اور دوسرے معنی میں یہ لفظ کبھی استعمال بھی ہوتا ہے۔ اس کو صریح متعین کہتے ہیں۔ صریح کا ایک اور معنی ہے وہ یہ کہ لفظ دوسرے معنی کا قطعاً احتمال نہ رکھتا ہو یا احتمال رکھتا ہو، لیکن دوسرے معنی میں کبھی استعمال ہی نہ کیا جاتا ہو، اس کو صریح متعین کہتے ہیں۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

”فان لم يستعمل في غيره فأولى بالصراحة“ (البحر الرائق: ۳/ ۲۶۹)

”اگر لفظ دوسرے معنی میں استعمال نہ کیا جائے تو بدرجہ اولیٰ صریح ہے۔“

جس کو صریح متعین کہتے ہیں، اب جب کہ صریح کی دونوں قسموں کو سمجھ لیا گیا۔ تو یہ جاننا آسان ہو گیا کہ وہ کفری کلام جس کا ظاہری معنی کفر ہو اور خفی معنی کفر نہ ہو یا تاویل قریب کی گنجائش نہ ہو۔ ہاں! تاویل بعید کی گنجائش ہو تو جمہور فقہائے کرام ایسے صریح متعین کلام کے قائل کو کافر کہتے ہیں اور تاویل بعید کا اعتبار نہیں کرتے۔

ابن حجر عسقلانی (وفات: ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

”انما نحكم بالكفر باعتبار الظاهر وقصدك وعدمه انما ترتبط به الأحكام باعتبار

الباطن فاللفظ اذا كان محتملاً لمعان فان كان في بعضها أظهر عمل عليه“

(الاعلام بقواطع الاسلام، ص: ۸)

”یقیناً ہم کفر کا حکم ظاہر کے اعتبار سے لگاتے ہیں۔ اور تمہارے ارادہ اور عدم ارادہ کا تعلق باطن سے

ہے تو لفظ جب چند معانی کا احتمال رکھے اور بعض معنی میں ظاہر ہو تو عمل اسی پر ہوگا۔“

لیکن محققین فقہاء اور متکلمین کا نظریہ یہ ہے کہ اگر قائل کی نیت معلوم نہ ہو اور کلام میں کسی تاویل کی گنجائش ہو۔ اگرچہ تاویل بعید ہی ہو تو ہم اس کی تکفیر نہ کریں گے۔ جس کا ماحصل یہ ہوا کہ یہ حضرات صریح متبیین پر حکم تکفیر نافذ نہیں کرتے۔ بلکہ تکفیر کے لیے صریح متعین ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ ”تاتارخانیہ“ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”وفی التاتارخانیۃ لا یکفر بالمحتمل“ (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۴)

”تاتارخانیہ میں ہے کہ الفاظِ محتمل سے تکفیر نہیں کی جائے گی۔“

جن الفاظِ کفریہ پر فقہائے کرام نے قائل کی تکفیر کی ہے، ان کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

”فأكثر ألفاظ التكفير المذكورة لا يفتى بالتكفير بها ولقد الزمت نفسي أن لا أفتي

بشيء منها“ (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۵)

”تکفیر کے مذکورہ الفاظ میں سے اکثر سے تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا اور میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ان میں سے کسی کی وجہ سے تکفیر کا فتویٰ نہ دوں۔“

ہاں! جب کلام معنی کفر پر صریح متعین ہو، تاویل قریب و بعید کسی کی گنجائش نہ ہو تو متکلمین قائل کی تکفیر کرتے ہیں، مثلاً کوئی کہے اللہ معبود نہیں ہے۔ تو اب تاویل مسموع نہیں ہے۔ اسی تقریر سے یہ معمہ بھی حل ہو گیا، جو کہا جاتا ہے کہ مذہب فقہاء پر تکفیر ہے مذہب متکلمین پر نہیں۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

”عدم التكفير مذهب المتكلمين والتكفير مذهب الفقهاء فلا يتحد القائل

بالنقيضين فلا محذور“ (شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۹)

”عدم تکفیر متکلمین کا مذہب ہے اور تکفیر فقہاء کا مذہب ہے تو نقیضین کا قائل ایک نہیں ہے، لہذا کوئی

حرج نہیں ہے۔“

مذکورہ گفتگو سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ جب فقہا کسی کلام کے متعلق یہ فرمائیں کہ یہ کلام معنی کفر میں صریح ہے، تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تو صریح سے صریح متنبین اور تاویل سے تاویل قریب مراد ہوتی ہے، کیوں کہ تاویل بعید تو ان کے نزدیک معتبر ہی نہیں ہے۔ لہذا فقہا اگر تاویل کی نفی کریں تو متکلمین کے نزدیک تاویل کی نفی نہ ہوگی، کیوں کہ ان کے نزدیک تاویل بعید معتبر ہے۔ جن علما نے تاویل کرنے والوں کی تکفیر سے منع کیا ہے۔ وہ غیر ضروریات دین میں تاویل ہے۔ جس کی وجہ سے تاویل کرنے والے کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ ہاں! ضروریات دین میں تاویل غیر معتبر ہے۔

علامہ فضل رسول بدایونی لکھتے ہیں:

”اختلف الناس في تكفير أهل التأويل والصواب ترك اكفارهم واجراء أحكام الاسلام عليهم“ (المعتقد ص: ۵۱، المجموع الاسلامی)
 ”تاویل کرنے والے کی تکفیر کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہیں ہوگی اور ان پر اسلامی احکام جاری ہوں گے۔“

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

”وقد ذكرنا ان المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالا للكفر واحتمال واحد في نفيه فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال الثاني لأن الخطأ في ابقاء ألف كافر أهون من الخطأ في افناء مسلم واحد وفي المسئلة المذكورة تصريح بأنه يقبل من صاحبها التأويل“ (شرح فقه اکبر ص: ۱۹۹)
 ”فقہا نے فرمایا ہے کہ جو مسئلہ کفر سے متعلق ہو اور اس میں ۹۹ احتمال کفر کا ہو اور ایک احتمال اس کی نفی کا، تو مفتی اور قاضی کے لیے مناسب یہ ہے کہ دوسرے احتمال پر عمل کرے۔ اس لیے کہ ایک ہزار کافر کو باقی رکھنے میں خطا کر جانا اس بات سے زیادہ آسان ہے کہ کسی ایک مسلمان کو ہلاک کر دیا جائے۔ اور مذکورہ مسئلہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ تاویل کرنے والے کی تاویل قبول کی جائے گی۔“

گمراہ فرقوں کی بعض لوگوں نے تکفیر کی ہے۔ اس کا رد کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں:

”فان اكثر الخائضين في هذا انما يحركهم التعصب واتباع تكفير المكذب للرسول وهو لاء ليسوا مكذبين أصلاً ولم يثبت لنا أن الخطأ في التأويل موجب للتكفير فلا بد من دليل عليه“ (الاقتصاد في الاعتقاد: ۱/۱۳۶)

”بے شک تکفیر کے بارے میں اکثر غور و خوض کرنے والے کو ہمیز دینے والی چیز تعصب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والے کی تکفیر کی پیروی ہے۔ اور یہ لوگ بالکل جھٹلانے والے نہیں ہیں۔ اور ہمارے نزدیک یہ بات ثابت نہیں ہے کہ تاویل میں خطا کرنا تکفیر کا سبب ہے۔ اس کے لیے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔“

علامہ ابن وزیر حسنی قاسمی فرماتے ہیں:

”ان المتأولين غير كفار“ (ایثار الحق: ۱/۳۹۵)

”تاویل کرنے والے کافر نہیں ہیں۔“

اگر ایک شخص حق کا قصد و ارادہ کرتا ہے۔ اور تاویل میں خطا کرتا ہے تو وہ معذور ہے۔

علامہ مناوی لکھتے ہیں:

”والصواب عدم تكفير اهل الاهواء المتأولين لانهم لم يقصدوا اختيار الكفر، بل بذلوا وسعهم في اصابة الحق“ (فيض القدير: ۲/۲۰۷)

”صحیح بات یہ ہے کہ تاویل کرنے والے بدعتی کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ کیوں کہ انھوں نے قصداً کفر کا ارادہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ انھوں نے حق کو پانے کے لیے انتھک کوشش کی ہے۔“

علامہ ابن وزیر حسنی قاسمی لکھتے ہیں:

”وانما الكلام في طوائف الاسلام الذين وافقوا على الايمان بالتنزيل وخالفوا في التأويل فهو لاء لا يكفر منهم الا من تأويله تكذيب ولكن سماه تأويلاً مخادعة

للمسلمين“ (العواصم والقواصم: ۴/۱۷۶)

”اور بے شک گفتگو ان مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ جو کتاب اللہ پر ایمان لانے میں اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن تاویل میں اختلاف کرتے ہیں تو ان کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ ہاں وہ لوگ جن کی تاویل درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہو اور دھوکہ دہی کے لیے اس کا نام تاویل رکھ لیا ہو تو اس کی تکفیر ہوگی۔“

معتزلہ کے اقوال

گمراہ فرقوں میں سے باجماع مسلمین معتزلہ اور خوارج بھی ہیں۔ دونوں کی ۲۰، ۲۰ شاخیں ہیں، جن میں سے ایک دو جماعت پر ہی تکفیر کا حکم نافذ کیا گیا ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجموعی طور پر علمائے اہل سنت نے معتزلہ و خوارج کو گمراہ قرار دیا ہے، ان کی تکفیر نہیں کی ہے۔ یہاں ان دونوں کے اقوال اس مقصد کے پیش نظر ذکر کیے جا رہے ہیں کہ امت مسلمہ غور کرے کہ ان فرقوں کے ایک ایک قول سے جو متعدد کفر کو لازم ہے۔ اس کے باوجود اکابرین نے تکفیر سے منع فرمایا۔ تو کیا آج ہمارا عمل قابل غور نہیں ہے کہ ہم نے حکم تکفیر کو باز سچہ اطفال بنا لیا ہے۔ امت میں قیادت و رہبری کے مدعی حضرات کو دائرۃ اسلام میں کسی کو لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ البتہ دس بیس لوگوں کو دائرۃ اسلام سے خارج کرنے کا سہرا اپنے سر بندھوا لیتے ہیں۔ اب معتزلہ کے چند اقوال ملاحظہ ہوں۔ طوالت کے پیش نظر صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

عبدالقاہر بغدادی (وفات: ۴۲۹ھ) اپنی کتاب ”الفرق بین الفرق“ میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے صفات ازلیہ کی نفی، اللہ کے لیے علم، قدرت، حیات، سمع، بصر جیسی صفات نہیں ہیں۔ آخرت میں رویت باری تعالیٰ محال ہے، وہ خود کو دیکھتا ہے نہ کوئی دوسرا اس کو دیکھ سکتا ہے

اللہ کا کلام امر، نہی، بیان اور خبر سب حادث و مخلوق ہیں، گناہ گار مومن ہے نہ کافر، اللہ تعالیٰ نے عرض کو پیدا کیا اور نہ بندے کے اعمال کو، اس نے صرف جو ہر کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کی مغفرت نہیں کرے گا، الفاظ کتایہ سے طلاق نہیں ہوتی ہے، صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ (وفات: ۵۹ھ) و ابن مسعود (وفات: ۳۲ھ) رضی اللہ عنہما جھوٹے ہیں، نجس کپڑے اور نجس زمین کے ساتھ نماز درست ہو جاتی ہے، نماز، روزہ، حج سب بغیر نیت کے درست ہیں۔
(الفرق بین الفرق: ۱/۶۲)

شرح فقہ اکبر میں ان کا یہ عقیدہ لکھا گیا ہے کہ فرماں بردار کو ثواب، گناہ گار کو عذاب اور توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، عذاب قبر، میزان اور صراط کا انکار کرتے ہیں۔
(شرح فقہ اکبر ص: ۱۵۷ تا ۲۰۵)

خوارج کے اقوال

خارجیوں کے چند مشہور عقائد درج ذیل ہیں:

کسی تفریق کے بغیر گناہ کبیرہ و صغیرہ کا مرتکب کافر ہے، ظالم بادشاہ سے جو خاموشی اختیار کرے وہ کافر ہے۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافروں کی طرح دائمی جہنم کا سزاوار ہے۔ انبیائے کرام صغائر و کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ شادی شدہ زانی کو رجم نہیں کیا جائے گا۔

(دراسات فی الفرق الاسلامیہ، ص: ۱۰۵ و ۱۰۶ اخلاص اردو)

بروز قیامت مومنین کو اللہ تعالیٰ کی زیارت حاصل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا کلام حادث و مخلوق ہے۔ (دراسات ۱۶۹ تا ۱۷۲) قبر میں کسی شخص کو کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا۔ (فتح الباری: ۳/۲۳۳)

معتزلہ، خوارج اور گمراہ فرقوں کا حکم

عبدالقاہر بغدادی لکھتے ہیں:

”وان كانت بدعته من جنس بدع المعتزلة، أو الخوارج..... فهو من الأمة في بعض الأحكام“ (الفرق بين الفرق ص: ۱۹)

”اور اگر بدعتی کی بدعت معتزلہ یا خوارج کی بدعت کے مانند ہو تو وہ بعض احکام میں امت میں سے ہے۔“

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

”ان أبا حنيفة سئل عن الخوارج ما حكمهم فقال هم أختب الخوارج فقليل أنكفروهم فقال لا ولكن نقاتلهم على ما قاتلهم الأئمة من أهل الخير“ (شرح فقہ اکبر، ص: ۸۸)

”امام اعظم ابوحنیفہ سے دریافت کیا گیا کہ خوارج کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے فرمایا: وہ بدترین لوگ ہیں۔ پھر ان سے کہا گیا کیا ہم ان کی تکفیر کریں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن ہم ان سے ایسے ہی جنگ کریں گے جیسے ائمہ حضرات جنگ کرتے تھے۔“

ملا علی قاری اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

”ولا يصح اكفارهم في صحيح الأقوال“ (شرح فقہ اکبر، ص: ۲۰۵)

”صحیح مذہب یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔“

تتاج الحوث میں ”ایثار الحق علی الخلق“ کے حوالے سے ہے:

”فمعاملة على رضى الله عنه للخوارج مشهورة، حيث امتنع عن تكفيرهم وقتلهم مقاتلة البغاة، لا الكفار“ (۲/۴۸۷)

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلوک خوارج کے سلسلہ میں مشہور ہے۔ آپ نے ان کی تکفیر سے منع فرمایا اور ان سے باغیوں سے جنگ کرنے کی طرح جنگ کیا کافروں سے جنگ کرنے کی طرح نہیں۔“

امام بخاری (وفات ۲۵۶ھ) مسلم (وفات: ۲۶۱ھ) ان کے علاوہ اکابر محدثین نے معتزلہ، اباضیہ، مرجئہ وغیرہ سے روایت حدیث کی ہے تفصیل کے لیے مقدمہ فتح الباری، التدریب فی شرح التقریب سیوطی اور میزان الاعتدال لئذہبی دیکھیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ (وفات: ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:
 ”لو تروا الروایة عن القدریة لتركوا أكثر أهل البصرة“ (لوامع الانوار السبیه: ۱/۳۰۲)
 ”اگر ہم قدیریہ سے روایت حدیث کو ترک کر دیں تو اکثر اہل بصرہ کی روایت کو ترک کرنا پڑے گا۔“
 امام بخاری نے عمران بن حطان خارجی (وفات: ۸۴ھ) سے روایت کیا ہے۔

شمس الدین ذہبی (وفات: ۷۴۸ھ) اس کے متعلق لکھتے ہیں:
 ”عمران بن حطان بن ظبیان السدوسی البصری احد رؤس الخوارج“
 ”عمران بن حطان بصری خارجیوں کا ایک فرد ہے۔“ (تاریخ الاسلام: ۲/۹۸۱)

امام قرطبی اندلی (وفات: ۴۷۴ھ) اپنی کتاب ”التعذیل والتخریج“ میں لکھتے ہیں:
 ”عمران بن حطان بن ظبیان السدوسی أخرجه البخاری فی اللباس“ (۱۰۱۱/۳)
 ”عمران بن حطان سدوسی سے امام بخاری نے کتاب اللباس میں حدیث نقل کی ہے۔“
 عبد الحمید بن عبد الرحمن مرجئی (وفات: ۲۰۲ھ) سے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔

ابن صلاح (وفات: ۶۴۳ھ) مذکورہ دونوں راویوں کے بارے میں لکھتے ہیں:
 ”عمران بن حطان الخارجي، مادح عبد الرحمن بن ملجم قاتل علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ. وهذا من أكبر الدعوة الى البدعة، خرج عنه البخاری، وزعم جماعة أنه من دعاة الشراة ومنهم عبد الحمید بن عبد الرحمن أخرجه له الشیخان وقال فیہ أبو داؤد السجستانی كان داعية الى الار جاء“ (مقدمہ ابن صلاح، معرفۃ انواع علوم: ۱/۲۳۱)

”عمران بن حطان خارجی، عبد الرحمن بن ملجم (وفات: ۴۰ھ) کا خٹنا گو تھا، جو عبد الرحمن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا اور یہ شخص بدعت کا بڑا داعی تھا۔ امام بخاری نے اس سے حدیث تخریج کی ہے، جب کہ علما کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ شرفقتہ انگیزی کا داعی تھا، انھیں میں سے عبد الحمید بن عبد الرحمن ہے جس سے شیخین نے حدیث تخریج کی ہے۔ اس کے بارے میں ابو داؤد سجستانی نے فرمایا: وہ مذہب ارجا کا داعی تھا۔“

شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:

(عمران بن حطان) ”رَوَى عَنْ: عَائِشَةَ، وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ. رَوَى عَنْهُ: مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ وَيَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ وَقَتَادَةُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَيْسَ فِي أَهْلِ الْأَهْوَاءِ أَصَحُّ حَدِيثًا مِنَ الْخَوَارِجِ ثُمَّ ذَكَرَ عُمَرَانُ بْنُ حُطَّانٍ، وَأَبَا حَسَانَ الْأَعْرَجَ“ (تاریخ الاسلام: ۶/۱۵۵)

”عمران بن حطان درج ذیل صحابہ سے روایت حدیث کرتے ہیں حضرات عائشہ، ابو موسیٰ اشعری، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ان سے محمد بن سیرین، یحییٰ بن کثیر اور قتادہ روایت کرتے ہیں۔ امام ابو داؤد نے کہا کہ بد مذہبوں میں خوارج سے زیادہ صحیح روایتیں کسی اور سے نہیں ہیں اور تمثیلاً، عمران بن حطان اور ابو حسان اعرج کا نام ذکر کیا۔“

امام ذہبی عبد الرحمن بن ملجم خارجی، قاتل علی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

”وَابْنُ مِلْجَمٍ عِنْدَ الرِّوَاظِ أَشَقَى الْخَلْقِ فِي الْآخِرَةِ. وَهُوَ عِنْدَنَا أَهْلُ السُّنَّةِ مِمَّنْ نَرَجُو لَهُ النَّارَ، وَنَجُوزُ أَنْ اللَّهُ يَتَجَاوَزَ عَنْهُ، لَا كَمَا يَقُولُ الْخَوَارِجُ وَالرِّوَاظُ فِيهِ. وَحُكْمُهُ حُكْمُ قَاتِلِ عُثْمَانَ: وَقَاتِلِ الزُّبَيْرِ، وَقَاتِلِ طَلْحَةَ، وَقَاتِلِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، وَقَاتِلِ عَمَّارٍ، وَقَاتِلِ خَارِجَةَ، وَقَاتِلِ الْحُسَيْنِ. فَكُلُّ هَؤُلَاءِ نَبْرَأُ مِنْهُمْ وَنَبْغُضُهُمْ فِي اللَّهِ، وَنَكُلُّ أُمُورَهُمْ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ“ (تاریخ الاسلام: ۳/۶۵۴)

”ابن ملجم روافض کے نزدیک آخرت میں سب سے بد بخت ہے اور ہم اہل سنت کے نزدیک ان میں سے ہے جس کے لیے ہم جہنم کی امید رکھتے ہیں اور یہ بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا ہم وہ نہیں کہتے جو خوارج و روافض اس کے متعلق کہتے ہیں اور اس کا حکم حضرت

عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عمار، حضرت خارجہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قاتل جیسا ہے، ان تمام حضرات کے قاتلین سے ہم بری ہیں، رضائے الہی کے لیے ان سے بغض رکھتے ہیں اور ان کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔“

امام بخاری نے جن گمراہ اور بدعتیوں سے روایت کی ہے اس پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے ان کے اسما کو ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے، لکھتے ہیں:

”وَهَذِهِ أَسْمَاؤُهُمْ (خ م) إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ رَمَى بِالْإِجْرَاءِ (خ م) إِسْحَاقُ بْنُ سُوَيْدٍ الْعَدَوِيُّ رَمَى بِالنَّصَبِ (خ م) إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ رَمَى بِالتَّشْيِيعِ خ م أَيُّوبُ بْنُ عَائِدٍ الطَّائِي رَمَى بِالْإِجْرَاءِ“ (فتح الباری: ۱/۳۵۹)

علامہ ابن بطال (وفات: ۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

”وَجَمْهُورُ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّهُمْ فِي خُرُوجِهِمْ ذَلِكَ غَيْرُ خَارِجِينَ مِنْ جَمَلَةِ الْمُؤْمِنِينَ“
”جمہور علمائے رائے یہ ہے کہ خوارج ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہیں۔“ (شرح صحیح بخاری: ۸/۵۸۵)

صاحب انکفار الملحدین، امام خطابی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”أَجْمَعَ عُلَمَاءُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى أَنَّ الْخَوَارِجَ مَعَ ضَلَالَتِهِمْ فِرْقَةٌ مِنْ فِرَقِ الْمُسْلِمِينَ وَأَجَازُوا مَنَاقِبَهُمْ وَأَكَلُوا ذِبَائِحَهُمْ وَأَنَّهُمْ لَا يَكْفُرُونَ مَا دَامُوا مَتَمَسِّكِينَ بِأَصْلِ الْإِسْلَامِ“ (انکفار الملحدین: ۱/۲۷)

”علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خوارج اپنی گمراہیوں کے باوجود ایک اسلامی فرقہ ہے۔ اور ان سے نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ اور جب تک وہ ضروریات دین کے پابند ہیں ان کی تکفیر نہیں کریں گے۔“

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

”وَذَهَبَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْأَصُولِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ إِلَى أَنَّ الْخَوَارِجَ فُسَّاقٌ، وَأَنَّ حُكْمَ الْإِسْلَامِ

يجرى عليهم لتلفظهم بالشهادتين ومواظبتهم على أركان الاسلام“ (فتح الباری: ۱۲/۳۰۰)
 ”اہل سنت و جماعت میں سے اکثر متکلمین کی رائے یہ ہے کہ خارجی فاسق ہیں، اسلامی احکام ان پر جاری
 ہوں گے، کیوں کہ وہ شہادتین کے اقرار کرنے والے ہیں اور اسلامی ارکان پر ہمیشگی کرتے ہیں۔“

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”ان الصحابة لم يكفروا الخوارج أنهم كانوا يصلون خلفهم وكان عبد الله بن عمر
 وغيره من الصحابة يصلون خلف نجدة الحروري وكانوا أيضا يحدثونهم ويفتنونهم
 ويخاطبونهم كما يخاطب المسلم المسلم“ (منهاج السنة: ۵/۲۴۷)
 ”صحابہ کرام نے خارجیوں کی تکفیر نہیں کی، وہ ان کے پیچھے نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت عبد
 اللہ بن عمر (وفات: ۷۳ھ) اور دیگر صحابہ کرام نجدہ حروری (وفات: ۶۹ھ) کی اقتدا کیا کرتے
 تھے، نیز وہ ان سے حدیثیں بیان کرتے فتویٰ دیتے اور مسلمانوں جیسی ملاقات کیا کرتے تھے۔“

عبد اللہ بن عبد الرحمن بن جبرین (وفات: ۱۴۳۰ھ) لکھتے ہیں:

”ولم يكفروهم (الخوارج) على بن أبي طالب وسعد بن أبي وقاص وغيرهما من
 الصحابة بل جعلوهم مسلمين مع قتالهم“ (مجموع الرسائل والمسائل: ۵/۲۰۱)
 ”حضرت علی، سعد ابن ابی وقاص (وفات: ۵۵ھ) اور دیگر صحابہ کرام نے خارجیوں کی تکفیر نہیں
 کی، بلکہ ان کو مسلمان جانتے ہوئے جنگ کیا۔“

علامہ فضل رسول بدایونی ”کرامیہ“ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وكذا منكر قدمه“ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی حاشیہ میں لکھتے ہیں:

”فيه تكفير كرامية وهو مسلك الفقهاء أما جمهور المتكلمين فيأبون الا كفار الا
 بانكار شئ من ضروريات الدين وهو الأحوط المأخوذ المعتمد عندنا“ (المعتقد: ص: ۸۳)
 ”اس میں کرامیہ کی تکفیر ہے جو فقہاء کا مذہب ہے اور جمہور متکلمین تکفیر سے انکار کرتے ہیں، ہاں! اگر

ضروریاتِ دین کا انکار ہو تو تکفیر ہوگی۔ یہی محتاط اور ہمارے نزدیک معتمد ہے۔“

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی (وفات: ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

”وَهُؤْلَاءُ يَسْمُونَ بِالْخَوَارِجِ يَسْتَحِلُّونَ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمْوَالَهُمْ وَيَسْبُونَ نِسَاءَهُمْ وَيَكْفُرُونَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُكْمُهُمْ عِنْدَ جُمْهُورِ الْفُقَهَاءِ وَجُمْهُورِ أَهْلِ الْحَدِيثِ حُكْمُ الْبَغَاةِ“

”انہیں خوارج کہتے ہیں جو مسلمانوں کی جان و مال کو حلال سمجھتے، ان کی بیبیوں کو قیدی بناتے اور صحابہ کرام کی تکفیر کرتے تھے، جمہور فقہاء اور محدثین ان پر باغیوں کا حکم لگاتے ہیں۔“ (فتح القدیر: ۱۰۰/۶)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ کافر نہیں ہیں بلکہ باغیوں میں سے ہیں یہ قول اہل سنت میں سے زیادہ تر اصولیوں کا ہے، امام شافعی امام مالک اور امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ، جمہور فقہاء اور بہت سارے محدثین سے بھی منقول ہے۔ (شرح مسلم للنووی: ۵/۲)

امام نووی (وفات: ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

”المذهب الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون والمحققون أن الخوارج لا يكفرون كسائر أهل البدع“ (شرح مسلم: ۵۰/۲)

”اکثر محققین کا صحیح اور مختار مذہب یہی ہے کہ دوسرے بدعتیوں کی طرح خوارج کی بھی تکفیر نہیں کی جائے گی۔“

اختلافی مسائل کی نظیر

آج تقریباً پوری دنیا کے مسلمان اصول دین میں امام ابو منصور ماتریدی (وفات: ۳۳۳ھ) یا امام ابو الحسن اشعری (وفات: ۳۲۴ھ) رحمہما اللہ تعالیٰ کے نظریات کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ ان دونوں اماموں کے درمیان ہزاروں مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود کبھی کوئی

اشعری یا ماتریدی ایک دوسرے کی تکفیر، تفسیق نہیں کرتا بلکہ ذاتی تبصرہ سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ لیکن آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ جدید فروعی مسائل، جن کی بنیاد دلائل ظنیہ پر ہوا کرتی ہیں، ان میں ذاتی تبصرہ، تفسیق، تضلیل پھر تکفیر تک کا حکم لگا دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ

چند اختلافی مسائل درج ذیل ہیں:

اختلافی مسائل	ماتریدیہ کا نظریہ	اشاعرہ کا نظریہ
ایمان کم و بیش ہوتا ہے یا نہیں	نہیں ہو سکتا	ہوتا ہے۔ (المنہج فی بیان المسیح)
ایمان مقلد جائز ہے یا نہیں	جائز ہے	ناجائز ہے۔ (سوال عن التقليد فی العقیدۃ)
ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے	مخلوق ہے	غیر مخلوق ہے۔ (التوحید للماتریدی: ۱/۳۸۷)
ایمان کلمہ ان شاء اللہ کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز	جائز نہیں ہے	جائز ہے۔ (التوحید للماتریدی: ۱/۳۸۸)
نبوت کے لیے مرد ہونا شرط ہے یا نہیں	مرد ہونا شرط ہے	شرط نہیں بلکہ عورت بھی ہو سکتی ہے۔ (الرسل والرسالات: ۱/۸۴)
کفار کو ترک عبادت پر عذاب ہو گا یا نہیں	نہیں ہو گا	ترک عبادت پر عذاب ہو گا۔ (تفسیر ماتریدی: ۱۰/۳۲۵)

حدیث افتراق امت

مسئلہ تکفیر اور حدیث افتراق امت کے درمیان ربط و تعلق کی وجہ سے مناسب ہے کہ حدیث افتراق امت کی بھی تشریح کر دی جائے۔

حدیث ملاحظہ ہو:

”عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليأتين على امتي ما أتى على بني إسرائيل حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي“ (سنن الترمذی، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة: ۴/۳۲۳)

”حضرت عبد اللہ بن عمرو (وفات: ۶۳ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کی حالت بالکل بنی اسرائیل کی طرح ہوگی، یہاں تک کہ ان میں سے جس نے اپنی مال کے ساتھ علانیہ زنا کیا ہو تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا اور یقیناً بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔ اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی اور سوائے ایک فرقہ کے سب جہنمی ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اہل سنت و جماعت۔“

تقریباً اسی طرح کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

”عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تفرقت اليهود على إحدى وسبعين أو اثنتين وسبعين فرقة، والنصارى مثل ذلك، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة“ (سنن الترمذی، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة: ۴/۳۲۲)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بھی اسی طرح اور میری امت ۷۳ فرقے میں بٹ جائے گی۔“

اسنادی حیثیت

حدیث افتراق الفاظ کی تھوڑی تبدیلی کے ساتھ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے مثلاً حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عمرؓ، ابودرداءؓ (وفات: ۳۲ھ)، معاویہ بن ابی سفیانؓ (وفات: ۶۰ھ)، ابن عباسؓ (وفات: ۶۸ھ)، جابرؓ، ابوامامہؓ (وفات: ۸۶ھ)، واثلہؓ (وفات: ۸۳ھ)، عوف بن مالکؓ (وفات: ۷۳ھ)، عمرو بن عوفؓ (وفات: ۵۸ھ) اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔

یوسف بن محمد غفیفؒ، حافظ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”الحمد لله الحديث صحيح مشهور في السنن والمسانيد كسنن ابی داؤد والترمذی والنسائی وغيرهم“ (شرح حدیث الافتراق: ۳/۲)
 ”الحمد لله حدیث صحیح مشہور اور سنن و مسانید میں مذکور ہے جیسے سنن ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (وفات: ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں:

”وبالحملۃ ایس حدیثی است کہ طرق آن بسیارست وائمه بصحت آل حکم کردہ“ (شرح سفر السعاده: ص: ۵۸۰)
 ”حاصل کلام یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی سند متعدد ہے اور ائمہ حدیث نے اس کی صحت کا حکم دیا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمروؓ والی سند کو امام ترمذیؒ (وفات: ۲۷۹ھ) نے حسن کہا۔ اور حضرت ابوہریرہؓ والی روایت سے متعلق فرمایا:

”حدیث ابی ہریرہ حدیث حسن صحیح“ ”حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث، حسن صحیح ہے۔“

تحفۃ الاحوذی میں ہے:

”حدیث ابی ہریرہ اخرجه أبو داؤد، والنسائی، وابن ماجه والحاكم وصححه ونقل المنذرى تصحيح الترمذی“ (۳۳۳/۷)

”حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث امام ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ نے تخریج کی ہے۔ امام حاکم نے تصحیح

کی ہے۔ اور امام منذری نے امام ترمذی کی تصحیح کو نقل کیا ہے۔“
 صاحب مرعاة المفاتیح، امام حاکم (وفات: ۴۰۵ھ) کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:
 ”وقال الحاکم صحیح علی شرط مسلم“ (مرعاة: ۱/۲۷۶)
 ”امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور امام مسلم کی شرط پر ہے۔“

افتراق کا معنی و مفہوم

افتراق کا لغوی معنی: الگ الگ ہونا، جدا ہونا۔
 عبد الحمید عمر (وفات: ۱۴۲۴ھ) لکھتے ہیں:
 ”تفرق القوم، تباعدوا واشتتوا، ذهب کل منهم فی اتجاه عکسہ تجمعوا“
 ”قوم دور ہوئی یعنی ان میں سے ہر ایک الگ الگ سمت کو گیا اس کا عکس (تجمعوا) ہے یعنی وہ
 جمع ہوئے۔“ (معجم اللغة العربية، باب الفاء)
 ”معجم الوسیط“ میں ہے:
 ”افترق القوم: فارق بعضهم بعضاً“ (باب الفاء ص: ۶۸۵) ”ایک دوسرے سے جدا ہونا، الگ ہونا۔“
 اصطلاحی مفہوم:

دین میں علاحدہ ہونا، جدا ہونا۔ قرآن کریم میں اس مفہوم کو متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد الہی ہے:

{وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ
 وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} (انعام: ۱۵۴)

”اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور دوسری راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا

کردیں گے یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔“

ابو حیان اندلی (وفات: ۷۴۵ھ) لکھتے ہیں:

”وَلَا تَفَرَّقُوا نَهْضًا عَنِ التَّفَرُّقِ فِي الدِّينِ وَالْاِخْتِلَافِ فِيهِ كَمَا اخْتَلَفَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى“
(المحر المجتہد: ۳/۲۸۶)

”دین میں فرقہ بندی اور اختلاف پیدا کرنے سے انہیں روکا گیا جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا تھا۔“

امت سے مراد (دعوت، اجابت)

قرآن کریم میں امت کا لفظ متعدد جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔ کہیں امت دعوت تو کہیں امت اجابت مراد ہے۔

اس کی مثال حسب ذیل آیات ہیں:

{وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ} (آل عمران: ۱۰۴)

”تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم دے۔“

{كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ} (آل عمران: ۱۱۰)

”تم بہتر ہوان امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو۔“

{وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَّسُولُهُمْ فُضِّي بَيْنَهُمْ} (یونس: ۴۷)

”ہر امت کے لیے ایک رسول ہوا جب ان کا رسول ان کے پاس آتا ان پر انصاف کا فیصلہ کر دیا جاتا۔“

{لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً} (یونس: ۴۹)

”ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے، جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں۔“

پہلی دو آیت میں امت اجابت اور دوسری دو آیت میں امت دعوت مراد ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں امت سے کون سی امت مراد ہے۔ حدیث کے سیاق و سباق، امت

محمدی کے افتراق کو یہود و نصاریٰ کے افتراق کے ساتھ تشبیہ اور ستفترق میں ”سین“ استقبال کا استعمال نیز جمہور علماء و محدثین کے آراء و نظریات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں امت اجابت مراد ہے۔ عباراتِ علما ملاحظہ ہوں۔

عبد الرحمن مبارکپوری (وفات: ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

”وتفترق أمتی على ثلاث وسبعين فرقة والمراد من امتی الاجابة“
 ”امت سے مراد امتِ اجابت ہے۔“ (تحفۃ الاحوذی: ۷/۳۳۲)

محمد بن عبد الہادی سندی (وفات: ۱۱۳۸ھ) لکھتے ہیں:

”وتفترق أمتی قالوا المراد أمة الاجابة وهم اهل القبلة فان اسم الأمة مضاف اليه صلى الله عليه وسلم يتبادر منه أمة الاجابة“ (حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ: ۲/۴۷۹، باب افتراق الامۃ)
 ”محدثین نے فرمایا ہے کہ امتِ اجابت مراد ہے۔ اور وہ اہل قبلہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کا لفظ اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ جس سے امتِ اجابت سمجھ میں آتا ہے۔“

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

”ونقل الأبهري ان المراد بالأمة امة الاجابة عند الأكثر“

(مرقاۃ المفاتیح: ۱/۲۰۹، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

”ابہری نے نقل کیا ہے کہ اکثر محدثین کے نزدیک امتِ اجابت مراد ہے۔“

ملا علی قاری اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

”ثم قيل يحتمل أمة الدعوة فيندرج سائر الملل الذين ليسوا على قبلتنا في عدد الثلاث والسبعين، ويحتمل أمة الاجابة فيكون الملل الثلاث والسبعون منحصرة في أهل قبلتنا والثاني هو الأظهر“ (مرقاۃ: ۱/۲۵۹)

”ایک قول یہ ہے کہ اس میں امتِ دعوت کا بھی احتمال ہے۔ تو وہ تمام مذاہب ۷۳ میں شامل ہو

جائیں گے۔ جو اہل قبلہ میں سے نہیں ہیں اور امتِ اجابت کا بھی احتمال ہے تو یہ ۷۳ فرقے اہل قبلہ میں منحصر ہوں گے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔“

مرعاة المفاہیح میں ہے:

”وَيُؤَيِّدُهُ أَيْضًا أَنْ افْتِرَاقَ أَمَّةٍ مُحَمَّدٍ شَبَهَ بِافْتِرَاقِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، وَمِنْ الْمَعْلُومِ أَنَّ افْتِرَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَقَعَ حَالِ كَوْنِهِمْ مِنْ أَمَّةٍ مُوسَى وَعِيسَى، أَيْ شَمُولِ لَفْظِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى إِيَّاهُمْ“ (۲۷۰/۱)

”اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ محمدیہ کی تفریق کو یہود و نصاریٰ کی تفریق سے تشبیہ دی ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ بنی اسرائیل کا افتراق حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی امت میں رہتے ہوئے ہوا ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ کا لفظ ان کو شامل ہے۔“

مولانا اسید الحق ازہری مرحوم (وفات: ۱۴۳۵ھ) ملا جلال الدین دوانی (وفات: ۹۰۸ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”سُتَفْتَرَقَ أُمَّتِي أَى أَمَّةِ الْإِجَابَةِ، قَالَ بَعْضُ شُرَاحِ الْحَدِيثِ وَلَوْ حَمَلَ عَلَى أَمَّةِ الدَّعْوَةِ لَكَانَ لَهُ وَجْهٌ وَأَنْتَ تَعْلَمُ بَعْدَهُ جَدَافًا فَرَقَ الْكَفَرُ أَكْثَرَ مِنْ هَذَا الْعَدَدِ بِكَثِيرٍ“ (افتراق امت ص: ۲۱)

”حدیث میں امتِ اجابت مراد ہے۔ بعض شارحین حدیث نے امتِ دعوت مراد لیا ہے۔ لیکن یہ بعید از قیاس ہے اس لیے کہ کافروں کے فرقوں کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (وفات: ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:

”اِیْنِ فَرْقِ هَمَّا اِہْلِ قَبْلَہِ اَنْدَوِ تَکْفِیْرَ اَنْہَا مَذْہَبِ اِہْلِ سُنَّتِ وَجَمَاعَتِہِ اِگَرِ چَہْ کُفْرُ بَرَا اَنْہَا لَازِمٌ اَمْدُہُ“

”یہ تمام فرقے اہل قبلہ کے ہیں اور اہل سنت و جماعت نے ان کی تکفیر نہیں کی ہے اگرچہ ان پر کفر لازم آتا ہے۔“ (شرح سفر السعاده ص: ۵۸۱)

مرعاة المفاہیح میں ہے:

”وَتَفْتَرَقُ أُمَّتِي“ أَى أَمَّةِ الْإِجَابَةِ“ ”امت سے امتِ اجابت مراد ہے۔“ (۲۷۰/۱)

عددِ ثلاث و سبعین پر شبہ و جواب

حدیث مذکور میں لفظ (ثلاث و سبعین) کو علما کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ کثرتِ معنیٰ کو بیان کرنے کے لیے ہے، تحدید کے لیے نہیں، کیوں کہ فرقوں کی تعداد ۷۳ ہی نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ نظر آتی ہے۔ اور یہ کہ کثرتِ معنیٰ کو بیان کرنے کے لیے اہل عرب اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے رہے ہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں بھی اس کی نظیر موجود ہے۔

ارشادِ الہی ہے:

{اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ} (التوبة: ۸۰)

”آپ ان کی مغفرت چاہیں یا نہ چاہیں، اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں گے تو اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔“

اس آیت میں سبعین کا لفظ بیانِ کثرت کے لیے استعمال ہوا ہے، لہذا حدیث مذکور میں ثلاث و سبعین بیانِ کثرت کے لیے ہے۔ علما کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ گمراہ فرقوں کی تعداد مذکورہ عدد کو پہنچ جائے گی اس سے کم نہ ہوگی، ہاں! وہ تعداد کسی زمانے میں بڑھ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور علما کی ایک بڑی جماعت کا خیال یہ ہے کہ ۷۳ کا عدد بیانِ تحدید کے لیے ہے تکثیر کے لیے نہیں۔ اور یہی بات کہ فرقوں کی تعداد ۷۳ سے زیادہ ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ حدیث میں تفرق (گروہ بندی) سے مراد اصولی فرقے ہیں ان کی شاخیں نہیں۔ اور اصولی فرقے عدد مذکور سے زیادہ نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ بیانِ کثرت کے لیے دہائیاں استعمال کی جاتی ہیں مثلاً ہم کہتے ہیں۔ اس کی دسیوں یا بیسیوں مثال موجود ہے۔ لہذا حدیث میں اگر ”سبعین“ کا لفظ صرف ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ بیانِ کثرت کے لیے ہے۔ مگر اہل عرب ۷۳ کا عدد بیانِ کثرت کے لیے کبھی استعمال نہیں کرتے ہیں۔ اب صحیح بات یہ ہے کہ ”ثلاث و سبعین“ بیانِ تحدید کے لیے ہے۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ عدد مذکور سے اصولی فرقے

مراد ہوں تو ان کی تعداد اتنی نہیں ہے۔ ہم کہیں گے کہ مراد یہ ہے کہ کسی زمانے میں ان کی تعداد اس حد کو پہنچ جائے گی۔ پھر اس سے کم یا زیادہ فرق ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

بعض علما نے جب یہ دیکھا کہ فرقوں کی تعداد اصول کے لحاظ سے کی جائے تو ۷۳ سے کم ہو جاتی ہے۔ اور فروع کے لحاظ سے ہو تو ۷۳ سے بڑھ جاتی ہے مثلاً امام فخر الدین رازی (وفات: ۶۰۶ھ) نے شیعہ امامیہ ہی کے ۷۳ فرقے شمار کیے ہیں۔ (اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین ص: ۱۱۷)

اس شبہ کی وجہ سے بعض علما کو حدیث کی صحت ہی پر شبہ ہو گیا۔ حاشیہ شرح مواقف میں علامہ حسن چلپی (وفات: ۱۰۱۲ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

”طعن بعضهم فی صحة هذا الخبر فقال ان اراد باثنتين وسبعين فرقة أصول الأديان فلن يبلغ هذا العدد وان أراد الفروع فانها تتجاوز هذا العدد الى أضعاف ذلك“

(شرح المواقيت: ۸/۴۰۸)

”بعض محدثین نے اس حدیث کی صحت ہی پر کلام کیا ہے۔ اور فرمایا کہ اگر ۷۲ سے اصولی فرقے مراد ہوں تو فرقے اس عدد کو نہیں پہنچ رہے ہیں۔ اور اگر فروعی فرقے مراد ہوں تو مذکورہ عدد سے ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔“

مذکورہ شبہ کا جو جواب دیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سے مقصود یہ ہے کہ فرقوں کی تعداد تہتر ہوگی اس سے کم نہ ہوگی۔ اب کسی زمانہ میں تعداد اس سے زیادہ ہو جائے یا کم تو کوئی حرج نہیں ہے۔

امام فخر الدین رازی (وفات: ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

”فانه أخبر أنهم يكونون على ثلث وسبعين فرقة لم يجز أن يكون أقل منها وأما ان كانت أكثر فلا يضر ذلك..... بل ربما وجد في فرقة واحدة من فرق الروافض وهم الامامية ثلاث وسبعون فرقة“ (اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین: ۱/۷۵)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی فرمائی کہ امت ۷۳ فرقے میں تقسیم ہو جائے گی تو جائز نہیں ہے کہ اس سے کم ہو۔ اب اگر زیادہ ہو جائے تو اس سے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ رافضیوں کے ایک ہی فرقہ امامیہ میں ۷۳ شاخیں موجود ہیں۔“

فخر الدین رازی کے حوالے سے حاشیہ شرح مواقف میں ہے:

”أجاب الإمام الرازي بأن المراد ستفترق أمتي في حال ما وليس فيه دلالة على أن افتراقها في سائر الأحوال لا يجوز أن يزيد أو ينقص“ (شرح مواقف: ۸/۲۰۸ بیروت)

”امام رازی نے یہ جواب دیا: مراد یہ ہے کہ میری امت کسی وقت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ اس میں یہ دلالت نہیں ہے کہ ان کا بیٹنا تمام وقتوں میں ہو اور یہ جائز نہ ہو کہ اس سے زیادہ یا کم ہو۔“

اس عنوان کے تحت جو کچھ مذکور ہوا وہ علمائے کرام کی آنے والی عبارتوں کا خلاصہ تھا۔

محقق جلال الدین دوانی (وفات: ۹۰۸ھ) فرماتے ہیں:

”وما يتوهم من أنه، ان حمل على أصول المذاهب فهي أقل من هذا العدد وان حمل على ما يشمل الفروع فهي أكثر منه، توهم فاسد لا مستند له لجواز كون الأصول التي بينها مخالفة معتد بها العدد وقد قيل لعلهم في بعض من الاوقات بلغوا هذا العدد وان زادوا أو نقصوا في أكثر الأوقات“ (شرح العقائد العضدية ص: ۴، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

”اور یہ جو وہم ہوتا ہے کہ عدد مذکور کو اگر اصول مذہب پر محمول کیا جائے تو وہ فرقے اس عدد سے کم ہو جائیں گے۔ اور اگر فروع پر محمول کیا جائے تو مذکورہ عدد سے زیادہ ہو جائیں گے۔ یہ فاسد وہم ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ کیوں کہ ایسا ممکن ہے کہ اس عدد سے اصولی فرقے مراد ہوں۔ اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ فرقے کسی وقت اس عدد کو پہنچ جائیں گے۔ اگرچہ کسی وقت اس سے زیادہ یا کم ہو سکتے ہوں۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ”شرح سفر السعاده“ میں رقم طراز ہیں:

”مراد بلوغ بایں عدد است و تواند که در وقتے زیادت ازاں نیز گردد“ (شرح سفر السعاده، ص: ۵۸۱)

”مراد اس عدد کو پہنچ جانا ہے ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی وقت تعداد اس سے زیادہ بھی ہو جائے۔“

مرعاة المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں ہے:

”ان العلماء اختلفوا فی معنی عدد الفرق المذكورة فی الحديث فقیل هو للتکثیر لا للتحديد ، فان الفرق المذمومة تزيد علی المأت بالنظر الی تفرقهم فی الأصول والفروع وقیل معنی الحديث أن الفرق المذمومة لا بد أن تبلغ هذا العدد أى لا ینقص عدد الفرق الغير الناجية من هذا المقدار فلا بأس لو زاد علی ذلك ، والحاصل أن العدد المذكور ليس لنفی الزائد وقیل هو محمول علی التحديد ، فان المراد بالتفرق تفرقهم فی أصول الدین ، والفرق المبتدعة مع شعبها وفروعها لا تزيد علی هذا العدد بالنظر الی ذلك“ (۲۷۲/۱)

”مذکورہ فرقوں کی تعداد کے بارے میں علما کا اختلاف ہے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ بیان کثرت کے لیے ہے تحدید کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ گمراہ فرقے تو اصول وفروع کی جانب نسبت کرتے ہوئے سو سے بھی زیادہ ہیں۔ اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ گمراہ فرقے اس عدد کو ضرور پہنچ جائیں گے۔ اور فرقہ غیر ناجیہ اس سے کم نہ ہوں گے اس سے زیادہ ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ عدد مذکور زیادتی کی نفی کے لیے نہیں ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ عدد تحدید کے لیے ہے۔ اور مراد اصول میں ان کا بٹ جانا ہے اور بدعتی فرقے اپنی شاخوں سمیت اس عدد سے زیادہ نہیں ہیں۔“

کلبانی النار کی تشریح

ما قبل کی گفتگو سے یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ جب امت سے امت اجابت مراد ہے۔ اور تمام بہتر فرقے دائرۃ اسلام میں داخل ہیں۔ تو ان گمراہ فرقوں کا جہنم میں داخل ہونا عارضی (دخول فی النار) ہو گا نہ دائمی (خلود فی النار) یعنی یہ کل جہنم میں جائیں گے۔ لیکن اصل ایمان کی وجہ سے بالآخر جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ لیکن اس صورت میں شبہ یہ ہوتا ہے کہ گمراہ فرقوں کے لیے دخول نار ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ فرقہ ناجیہ کے عصاة مؤمنین بھی دخول نار کے

مستحق ہوں گے۔ تو دونوں میں فرق کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرقِ باطلہ سب کے سب دخولِ نار کے مستحق ہوں گے۔ اور ناجیہ میں سے چند عمل میں کوتاہی کی وجہ سے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ فرقِ باطلہ کا دخولِ نار من حیث الاعتقاد ہوگا اور فرقہِ ناجیہ میں چند کا دخولِ نار ہونا من حیث العمل ہوگا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے بھی اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”مراد فرقہِ ناجیہ سے وہ ہیں جو مطلقاً جہنم میں نہ جائیں گے، من حیث الاعتقاد نہ من حیث العمل اور باقی واصل نار ہوں گے عمل یا اعتقاد کی وجہ سے۔“ (ملخص: الاقتاد فی الاعتقاد)

ایک جواب یہ بھی ہے کہ ”کہا فی النار“ کا معنی ”کل واحد من افراد کل فرقۃ فی النار“ یعنی ہر فرقہ کا ہر فرد جہنم میں داخل ہوگا، مطلب مراد ایجاب کلی ہے اور ”الا واحد فی النار“ کے استثناء سے ایجاب کلی کا رفع ہوا اور رفع ایجاب کلی ایک جزئی کے ساتھ بھی صادق آسکتا ہے۔ اب معنی ہوگا فرقہِ ناجیہ کا ہر فرد دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ ہاں بعض تقصیر اعمال کی وجہ سے داخل نار ہوں گے۔ اب اشکال دفع ہو گیا۔

”بہتر گمراہ فرقوں کے لیے دخول فی النار ہے غلو فی النار نہیں۔ اس پر سیکڑوں عباراتِ علما و فقہا موجود ہیں۔ ان میں سے بطور تمثیل چند حسب ذیل ہیں:

امام عبد الرحمن بیہقی (وفات: ۴۵۸ھ) ”السنن الکبریٰ“ میں حدیث افتراق امت کو نقل کرنے کے بعد ابوسلیمان خطابی (وفات: ۳۸۸ھ) کا قول نقل کرتے ہیں:

”قال أبو سلیمان الخطابی رحمة الله عليه فيما بلغني عنه قوله: ستفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة فيه دلالة على أنها هذه الفرق كلها غير خارجين من الدين اذ النبي صلى الله عليه وسلم جعلهم كلهم من امته“ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/۳۵۱)

”ابوسلیمان خطابی نے فرمایا: حدیث مذکور سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ فرقے دین سے خارج نہیں ہیں، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی امت سے شمار کیا ہے۔“

مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح میں ہے:

”كلهم في النار“ أي يستحقون الدخول في النار من أجل اختلاف العقائد فمن أفضى

به بدعته الى الكفر يدخل فيها البتة دخولها مؤبداً، ومن لم يكن كذلك فهو ممن يستحق النار (الاملة واحدة) ای فلا يدخلون النار من جهة اختلاف العقائد “ (۲/۱۷۳) ” یعنی وہ لوگ اختلاف عقیدہ کی وجہ سے دخولِ نار کے مستحق ہوں گے۔ ہاں جن کی بدعت حد کفر کو پہنچ جائے گی تو وہ دائمی جہنمی ہوں گے۔ اور جو ایمان نہ ہو تو وہ عارضی عذابِ نار کا مستحق ہوگا۔“

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (وفات: ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں:

”باید دانست کہ مراد از قول آن سرور علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در حدیث تفریقِ امیں امت بہفتاد و دو فرقہ واقع شدہ است در عذاب آل نہ غلود در نار و دوام در عذاب آل کہ منافی ایمان است و مخصوص بکفار“ (مکتوبات ربانی: ۶۷/۳)

”جاننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں جو ۷۲ فرقوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ وہ عذابِ نار کے دائمی مستحق نہ ہوں گے کہ یہ ایمان کے منافی ہے اور یہ عذابِ کفار کے ساتھ خاص ہے۔“

محمد بن عبد الہادی سندی (وفات: ۱۱۳۸ھ) لکھتے ہیں:

”(فواحدة في الجنة) قيل ان أريد الخلود فيها فهو خلاف الاجماع فان المؤمنين لا يخلدون في النار“ (حاشية السندی علی سنن ابن ماجہ: ۲/۷۷۹)

”اگر غلود فی النار مراد لیا جائے تو یہ اجماعِ امت کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ مؤمنین دائمی عذاب کے مستحق نہ ہوں گے۔“

ابو الاشبال حسن زہیری منصوری لکھتے ہیں:

”كلها في النار..... فلا يلزم من دخولهم الخلود، وان جاء في بعض الروايات أنهم يخلدون في نار جهنم فان الخلود في لغة العرب محمول على المكث الطويل لا دخولا أبدياً سرمدياً“

”دخولِ نار سے دائمی جہنم میں رہنا لازم نہیں آتا ہے۔ اگرچہ بعض روایتوں میں غلود کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس لیے کہ لفظ غلود لغتِ عرب میں مکثِ طویل کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔“

(شرح کتاب الابانہ من اصول الدیانہ: ۱۰/۹)

باطل فرقے

حدیث مذکور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کی پیشین گوئی کی بین اور واضح دلیل ہے۔ ۷۲ فرقوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہ اور ناری قرار دیا۔ جن کی تفصیلی معلومات کتب عقائد و مذاہب و ادیان میں مرسوم ہے۔ اصولی فرقے کسی نے چار، کسی نے چھ، کسی نے سات اور کسی نے آٹھ کو قرار دیا ہے۔ جو اپنی شاخوں سے مل کر ۷۲ کے عدد کو پہنچتی ہے۔

عبدالکریم شہرستانی (وفات: ۵۴۸ھ) نے فرقوں کی تعداد اصولاً چار تحریر کیا ہے، لکھتے ہیں: ”کبار الفرق الإسلامية أربع، القدرية، الصفاتية، الخوارج، الشيعة ثم يتركب بعضها مع بعض وينشعب عن كل فرقة أصناف فتصل الى ثلاث وسبعين فرقة“
”اسلام کے بڑے اصولی فرقے چار ہیں، قدریہ، صفاتیہ، خوارج اور شیعہ ان میں بعض اپنی شاخوں سے مل کر ۷۲ کے عدد کو پہنچ جائیں گے۔“ (الممل والنخل: ۱/۱۳)

علامہ ابن جوزی (وفات: ۵۹۷ھ) نے ۷۲ فرقوں کو ۸ اصولی فرقوں میں تقسیم کیا ہے:
”الحرورية، القدرية، الجهمية، المرجئة، الرافضة، الجبرية“ پھر ہر ایک کی بارہ شاخیں بیان کی ہیں جن کی مجموعی تعداد ۷۲ ہوتی ہے۔ (تلمیس ابلیس: ۱۹)

علامہ عضد الدین (وفات: ۷۵۶ھ) نے ”مواقف“ میں ۸ اصولی فرقے مع فرق ناجیہ شمار کیے ہیں۔ معتزلہ ۲۰ فرقے، شیعہ ۲۲ فرقے، خوارج ۲۰ فرقے، مرجعہ ۵ فرقے، نجاریہ ۳ فرقے، جبریہ، مشبہ۔ ایک ایک فرقہ جن کی مجموعی تعداد ۷۲ ہوتی ہے، ایک فرقہ ناجیہ۔ (المواقف: ۳/۷۰۴)

ملا علی قاری نے اصولی فرقے آٹھ شمار کیے ہیں:
”جن کی تفصیل بعینہ وہی ہے جو مذکورہ سات اصولی فرقوں کی ہے۔ انھوں نے آٹھواں اصولی فرقہ، فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کو شمار کیا ہے۔“ (مرقاۃ المفاتیح ۱/۲۵۹، باب الاعتصام بالکتاب)
فرقوں کی تفصیل و تعارف کے لیے ”الممل والنخل“ ملاحظہ کریں۔

کفریہ کلمات

- (۱) بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ”اوپر اللہ نیچے پہنچ، اوپر اللہ نیچے تم“ یہ کہنا کفر ہے۔ (غانیہ)
- (۲) کسی نے کہا: ان شاء اللہ تم کام کرو گے اس نے کہہ دیا میں ”بغیر ان شاء اللہ کے کروں گا“ کفر ہے۔ (عالمگیری)
- (۳) کسی مالدار کو دیکھ کر کہا ”آخر یہ کیا انصاف ہے کہ اسے مالدار بنادیا اور مجھے غریب“ یہ کہنا کفر ہے۔ (عالمگیری)
- (۴) اللہ نے یہ بہت برا کیا کہ ”میرے اکلوتے بیٹے کو مار کر میرا گھر بے چراغ بنادیا“ یہ کہنا کفر ہے۔ (عالمگیری)
- (۵) کافروں کو خوش کرنے کے لیے ان کے میلوں، تہواروں میں جانا یا ان کے تہواروں کی تعظیم کرنا کفر ہے۔ (بہار شریعت)
- (۶) جو کسی کافر کے مرنے کے بعد مغفرت کرے یا مردہ کافر کو مرحوم و مغفور کہے وہ خود کافر ہے۔ (بہار شریعت)
- (۷) خدا کے لیے مکان ثابت کرنا کفر ہے یہ کہنا کہ ”اوپر خدا ہے نیچے تم“ یہ کلمہ کفر ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۸۴ کتاب الفاظ الکفر)
- (۸) کسی سے کہا گناہ نہ کرو ورنہ خدا تجھے جہنم میں ڈال دے گا اس نے کہا ”میں جہنم سے نہیں ڈرتا“ کفر ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ، الباب التاسع فی احکام المرتدین: ۲/۲۶۰)
- (۹) انبیاء کی توہین کرنا یا ان کو فواحش، بے حیائی کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔ (ایضاً: ۲/۲۶۳)
- (۱۰) جو کسی فرشتہ کو عیب لگائے یا توہین کرے تو وہ کافر ہے، دشمن کو دیکھ کر یہ کہنا ملک الموت آگیا کفر ہے۔ (ایضاً: ۲/۲۶۶)
- (۱۱) قرآن مجید پر عیب لگانا، توہین و مسخرہ کرنا کفر ہے مثلاً داڑھی منڈانے سے منع کرنے پر اکثر

- داڑھی منڈے کہہ دیتے ہیں (کلاسوف تعلمون) یعنی کلا صاف کرو یہ کفر ہے۔ (ایضاً: ۲/۲۶۶)
- (۱۲) کسی نے نماز پڑھنے کو کہا: اس نے جواب دیا نماز پڑھتا تو ہوں لیکن اس کا نتیجہ نہیں یا نماز کا کوئی فائدہ ہے کس کے لیے پڑھوں؟ یہ سب کفر ہے کہ نماز کو ہلکا جانا ہے۔ (ایضاً: ۲/۲۳۸)
- (۱۳) ایسی بات کہنا جس سے روزہ کی تحقیر ہو کفر ہے مثلاً یہ کہنا کہ روزہ وہ رکھے جسے کھانا نہ ملے یا یہ کہے خدا نے کھانے کو دیا تو بھوکے کیوں مروں۔ (بہار شریعت: ۹/۴۶۵)
- (۱۴) شرع کی توہین کرنا کفر ہے، مثلاً کہے ”میں شرع ورع نہیں جانتا“ یا صحیح فتویٰ پیش کیا گیا اس نے کہا: ”میں فتویٰ نہیں جانتا“ یا اس کو پھینک دیا یہ کفر ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، باب المرتدین: ۲/۲۷۲)
- (۱۵) اگر کفر قطعی ہو تو عورت نکاح سے نکل جائے گی، پھر اسلام لانے کے بعد اگر عورت راضی ہو تو دوبارہ اس سے نکاح ہو سکتا ہے، ورنہ جہاں پسند کرے نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر اسلام لانے کے بعد عورت کو بدستور رکھ لیا دوبارہ نکاح نہ کیا تو قربت زنا ہوگی اور بچے ولد الزنا اور اگر کفر قطعی نہ ہو یعنی بعض علما کافر بتاتے ہیں اور بعض نہیں تو اس صورت میں بھی تجدید اسلام و نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ (درمختار، باب المرتد: ۶/۳۷۷)
- (۱۶) کسی نے کہا کہ میں سو سال کے بعد کافر ہو جاؤں گا تو وہ فوراً کافر ہو جائے گا۔
- (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۸۳)
- (۱۷) فقہائے کرام فرماتے ہیں: ”مذاق میں بھی کلمہ کفر یکنہ کفر ہے۔“ (البحر الرائق: ۵/۲۰۲)
- (۱۸) اللہ کے ناموں میں سے کسی نام کا مذاق اڑایا تو کافر ہو جائے گا۔ (منہج الروض: ص: ۴۲۵)
- (۱۹) مصیبت کے وقت یہ کہنا ”اللہ نے پتہ نہیں مصیبتوں کے لیے ہمارا گھر ہی دیکھ لیا ہے“ کفر ہے۔
- (۲۰) موت کے وقت کوئی یہ کہے ”پتہ نہیں اللہ کو اس شخص کی بڑی ضرورت تھی جو اس کو اپنے پاس اتنی کم عمر میں بلا لیا“ کفر ہے۔
- (۲۱) یہ کہنا ”نیک لوگوں کو اللہ عوجل جلدی اٹھا لیتا ہے، کیوں کہ ایسوں کی اللہ عوجل کو بھی ضرورت پڑتی ہے“ کفر ہے۔

- (۲۲) یہ کہنا ”یا اللہ تجھے بچوں پر بھی ترس نہیں آیا“ کفر ہے۔
- (۲۳) ایک شخص نے کہا: ”اُو نماز پڑھیں“ دوسرے نے کہا: ”آج چھٹی کا دن ہے نماز کی بھی چھٹی ہے“ کفر ہے۔
- (۲۴) یہ کہا: ”صبح دعا مانگ لیا کرو اس وقت اللہ فارغ ہوتا ہے“ کفر ہے۔
- (۲۵) کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا تو کافر ہو جائے گا۔
- (۲۶) دنیا بنانے والے کیا تیرے من میں سمائی؟ تو نے کاہے کو دنیا بنائی؟ (فلمی گانا)
- (۲۷) حسینوں کو آتے ہیں کیا کیا بہانے، خدا بھی نہ جانے تو ہم کیسے جانیں۔ (گانا)
- (۲۸) میری نگاہ میں کیا بن کے آپ رہتے ہیں، قسم خدا کی، خدا بن کے آپ رہتے ہیں۔ (گانا)
- (۲۹) یہ کہنا: ”رُحْمَن کے گھر شیطان اور شیطان کے گھر رُحْمَن پیدا ہوتا ہے“ کفر ہے۔
- (۳۰) جو شخص کلمہ کفر کہے اور دوسرا اس پر مسکرائے یہ کفر ہے۔ (الجامع فی الفاظ الکفر ص: ۲۳)
- (۳۱) مقرر اپنی تقریر میں کلمہ کفر بکے اور قوم خاموش رہے تو انھوں نے کفر کیا۔ (ایضاً)
- (۳۲) جو شخص احادیث متواترہ کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔ (ایضاً ص: ۲۴)
- (۳۳) عالم نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم فلاں چیز پسند کرتے ہیں، سامع نے کہا: لیکن میں پسند نہیں کرتا ہوں، کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۲۵)
- (۳۴) قرآن مجید کو آلہ لہو و لعب کے ساتھ پڑھنا کفر ہے۔
- (۳۵) کسی نے کہا: پتہ نہیں اس چیز کا تذکرہ اللہ نے قرآن میں کیوں کیا، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۲۷)
- (۳۶) کسی نے اپنا پاؤں قرآن پاک پر اہانہ رکھا تو کافر ہے۔ (ایضاً ص: ۲۹)
- (۳۷) کسی سے کہا گیا: قرآن کیوں نہیں پڑھتے ہو، جواب میں کہا: اب سیراب ہو گیا ہوں، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۲۹)
- (۳۸) کسی نے اپنے کلام کی جگہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو استعمال کیا مثلاً مجمع اکٹھا کر کے قرآن کی اس آیت کو پڑھا ”فجمعنہم جمعاً“ یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۰)

- (۳۹) فلاں آدمی ”انا اعطینک“ سے بھی چھوٹا ہے، کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۱)
- (۴۰) کسی کو جماعت کے ساتھ نماز کے لیے بلایا، جواب میں اس نے کہا: میں تنہا پڑھوں گا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ”ان الصلوٰۃ تنہی“ کہا ہے، کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۱)
- (۴۱) شراب نوشی، زنا، جرم خوری اور سود خوری کے وقت ”بسم اللہ“ پڑھنا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۶)
- (۴۲) کسی نے کہا: اگر اللہ مجھے دس وقت کی نماز کا حکم دیتا تو نہیں پڑھتا، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۶)
- (۴۳) میں نماز نہ پڑھوں گا کہ ثواب تو سب سید کے لیے ہے، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۶)
- (۴۴) کوئی صرف رمضان میں نماز پڑھے اور کہے یہی بہت ہے، کیوں کہ ہر نماز ستر کے برابر ہے، کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۷)
- (۴۵) کسی نے کہا: نماز پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہے، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۹)
- (۴۶) فاسق سے کہا گیا: نماز پڑھو تا کہ اس کی حلاوت پاؤ، جواب میں اس نے کہا: میں نہیں پڑھوں گا تا کہ چھوڑنے کی حلاوت پاؤں، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۹)
- (۴۷) دانستہ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۴۰)
- (۴۸) جو کسی عالم سے ظاہری سبب کے بغیر بغض رکھے اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ (ایضاً ص: ۴۲)
- (۴۹) ایک شخص عالم کی مجلس سے لوٹا دوسرے نے کہا: یہ گر جا گھر سے آیا ہے یا یہ مندر سے آیا ہے، کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۴۳)
- (۵۰) کسی عالم کو استہزاء عظیم کہنا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۴۵)
- (۵۱) کوئی یہ کہے کہ میں حلال، حرام کچھ نہیں جانتا ہوں، کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۴۶)
- (۵۲) ایک کافر نے مسلمان سے کہا: مجھ پر اسلام پیش کرو جواب میں اس نے کہا: فلاں عالم کے پاس جاؤ، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۵۵)
- (۵۳) ایک شخص نے مسلم سے کہا: اللہ تمہارا ایمان ختم کر دے تو قاتل اور اس پر آمین کہنے والا دونوں کافر ہے۔ (ایضاً ص: ۵۸)

- (۵۴) کسی نے کہا: اللہ کی لعنت تم پر اور تمہارے اسلام پر ہے۔ یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۶۲)
- (۵۵) کسی کا باپ کفر پر مرا اور مال چھوڑا بیٹے نے کہا: اے کاش میں مسلمان نہ ہوتا تاکہ مال کا وارث ہو جاتا، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۶۳)
- (۵۶) کسی نے کہا: جس دین پر تھے اس میں کیا خرابی تھی کہ تو نے اسلام قبول کر لیا، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۶۴)
- (۵۷) کسی نے کہا: یا کافر! یا مجوسی! جواب میں اس نے ”لبیک“ کہا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۶۶)
- (۵۸) کسی نے کہا: میرا عقیدہ فرعون یا ابلیس کے عقیدہ کی طرح ہے، تو کافر ہے۔ (ایضاً ص: ۷۱)
- (۵۹) بت بنانے والے کی تکفیر کی جائے گی کیوں کہ بنانے والے کی وجہ سے اس کی ترویج ہوگی۔ (شرح فقہ اکبر ص: ۲۷۶)
- (۶۰) ایک شخص نے دوسرے کو کلمہ کفر کی تلقین کی تاکہ وہ اسے بولے تو تلقین کرنے والے کی تکفیر ہوگی۔ (الجامع فی الفاظ الکفر ص: ۷۳)
- (۶۱) کسی نے کہا: فلاں کام کل ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ میں کافر ہو جاؤں گا تو فوراً کافر ہو جائے گا۔ (ایضاً ص: ۷۹)
- (۶۲) مؤذن کی اذان سن کر کسی نے کہا: تو جھوٹ بول رہا ہے، تو تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۷۹)
- (۶۳) یہود و نصاریٰ یا ہندوؤں کا زنا باندھنا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۸۲)
- (۶۴) یہ کہنا کہ یہودیت یا نصرانیت اسلام سے بہتر ہے کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۸۴)
- (۶۵) غیر مسلموں کے تہوار کے موقع پر تحفہ خرید کر ان کے تہوار کی تعظیم کے لیے تحفہ دینا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۸۶)
- (۶۶) کسی سے کہا گیا: حرام نہ کھاؤ اس نے کہا: مال ہے حلال ہو یا حرام، یہ قول کفر سے قریب ہے۔
- (۶۷) کسی سے کہا گیا: حلال کھاؤ، اس نے کہا: حرام میرے نزدیک حلال سے بہتر ہے۔ یا حرام میرے لیے جائز ہے تو قائل کی تکفیر کی جائے گی۔ (ایضاً ص: ۸۹)

(۶۸) اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے بارے میں یہ کہنا کہ کاش یہ سب حلال ہوتا کفر ہے۔

(ایضاً ص: ۹۱)

(۶۹) رمضان المبارک کو ناپسند کرتے ہوئے یہ کہنا کہ آگیا المہینہ، کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۹۲)

(۷۰) گناہ کرنے والے سے کہا جاتا ہے توبہ کر لو جواب میں اس نے کہا: مجھے توبہ کی ضرورت نہیں ہے، یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۹۶)

(۷۱) مال حرام کو فقیر پر صدقہ کر کے ثواب کی امید کرنا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۹۷)

(۷۲) کسی نے یہ کہا کہ جو شراب نہ پیے وہ کیسا مسلمان ہے تو کافر ہو جائے گا۔ (ایضاً ص: ۹۹)

(۷۳) حالت حیض میں جماع کو حلال سمجھنا کفر ہے کہ قرآن کا انکار ہے۔ (ایضاً ص: ۱۰۰)

(۷۴) حقیقی یا سوتیلی ماں سے نکاح جائز سمجھنا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۱۰۱)

(۷۵) کسی نے یہ کہا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں اپنی اولاد سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں اگر وہ جھوٹ بول رہا ہے تو کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۱۰۵)

(۷۶) کسی نے یہ قسم کھائی اللہ کی قسم اور تیرے پاؤں کی مٹی کی قسم تو یہ بالاتفاق کفر ہے۔

(ایضاً ص: ۱۰۸)

(۷۷) یہ کہنا کہ اللہ نے فلاں شخص کو موت سے پہلے ہی ماردیا ہے کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۱۲۲)

(۷۸) ایک شخص کے رشتہ دار کا انتقال ہوا اس نے یہ کہہ دیا کہ اللہ کو اس کی روح قبض نہیں کرنا چاہیے تو اس کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۱۲۳)

(۷۹) قیامت، جنت، دوزخ، میزان، صراط، حساب یا نامہ اعمال کے صحیفے کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔ (ایضاً ص: ۱۲۳)

(۸۰) یہ کہنا کہ مجھے میدانِ حشر سے کوئی لینا دینا نہیں ہے یا اس سے ڈرتا نہیں ہوں تو تکفیر ہوگی۔

(ایضاً ص: ۱۲۶)

(۸۱) کسی نے یہ کہا کہ جب دنیا سے کچھ ملتا ہی نہیں تھا تو پتہ نہیں کیوں مجھے اللہ نے پیدا کر دیا

- یافلاں کو پیدا کر دیا تو تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۱۲۷)
- (۸۲) اگر فلاں کے ساتھ اللہ جنت میں جانے کو کہے گا یا فلاں کے بغیر کہے گا تو جنت میں نہیں جاؤں گا یہ کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۱۲۸)
- (۸۳) کسی نے یہ کہا: اگر اللہ تیری وجہ سے مجھے جنت دے گا تو ہرگز قبول نہیں کروں گا تو تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۱۲۸)
- (۸۴) یہ کہا گیا کہ آخرت کے لیے دنیا کو چھوڑ دو جواب میں کہا میں ادھار کے عوض نقد کو نہیں چھوڑوں گا تو تکفیر کی جائے گی۔ (ایضاً ص: ۱۲۸)
- (۸۵) کسی نے یہ کہا کہ مجھے ثواب، عذاب یا موت سے کوئی مطلب نہیں تو تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۱۲۹)
- (۸۶) کسی نے ایک مسلمان سے ”یا کافر“ بغیر کسی تناوہیل کے کہا تو قاتل کافر ہوگا۔ (ایضاً ص: ۱۷۵)
- (۸۷) یہ کہنا کہ میں اللہ اور رسول کو نہیں جانتا ہوں یا اسلام سے بیزار ہوں کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۱۸۳)
- (۸۸) بت کو یا سورج کو سجدہ کرنا بالاتفاق کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۱۹۶)
- (۸۹) سنت مؤکدہ یا عیدین کی نماز کے منکر کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۲۱۲)
- (۹۰) کسی سے کہا گیا: فلاں کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کرلو، جواب میں اس نے کہا: نہیں کروں گا اگرچہ سنت ہے تو اس کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۲۲۱)
- (۹۱) دو شخص میں جھگڑا ہوا ایک نے ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ پڑھا دوسرے نے کہا: ”لا حول“ بھوک پیاس سے بے نیاز نہیں کر دے گا تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۲۲۹)
- (۹۲) سخت بیماری میں مبتلا شخص اگر یہ کہے اے اللہ! موت دیدے چاہے مسلمان ہو کر یا کافر ہو کر تو اس کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۲۳۱)
- (۹۳) یہ کہنا کہ یہود و نصاریٰ یا ہندو مسلمان سے بہتر ہیں تو تکفیر ہوگی، اگر دین کے اعتبار بہتری مراد نہ لے تو تکفیر نہ ہوگی۔ (ایضاً ص: ۲۳۴)
- (۹۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگانے والے کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۲۳۷)

(۹۵) کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتے تھے جواب میں اس نے کہا: یہ خلافِ ادب ہے تو اس کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۲۳۸)

(۹۶) یہ کہنا کہ ائمہ یا صحابہ کرام انبیاء سے افضل ہیں کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۲۷۲)

(۹۷) یہ کہنا کہ میں اس مقام و مرتبہ کو پہنچ گیا ہوں کہ تکلیفِ شرع مجھ سے ساقط ہوگئی ہے کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۲۹۲)

(۹۸) مظلوم نے ظالم سے کہا: میں میدانِ محشر تک انتظار کروں گا ظالم نے کہا: وہاں کیا ہوگا اس کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۲۹۶)

(۹۹) شوہر عالم کی مجلس سے واپس آیا بیوی نے کہا: اللہ کی لعنت ہے ہر عالم پر تکفیر کی جائے گی۔ (ایضاً ص: ۲۹۷)

(۱۰۰) جادو اگر کسی مخلوق کی عبادت یا نبی، فرشتہ، قرآن کریم کی ابانت پر مشتمل ہو تو کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۰۳)

(۱۰۱) ایک شخص نے کسی سے کہا: فلاں کا کام کرلو جواب میں اس نے کہا: اللہ بھی کہے تو میں نہیں کروں گا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۷۹)

(۱۰۲) مصیبت کے وقت اللہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: میرا مال اور بال بچوں کو تو نے لے لیا اب میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (ایضاً ص: ۳۸۳)

(۱۰۳) یہ کہنا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابی نہ تھے کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۸۶)

(۱۰۴) یہ کہنا کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے اللہ کے وجود کا پتہ نہیں لگتا ہے کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۳۹۸)

(۱۰۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے فقیر یا بکری چرانے کی وجہ سے طعنہ دینا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۴۰۷)

(۱۰۶) یہ کہنا کہ اللہ تم پر ظلم کرے گا جو ظلم تو نے مجھ پر کیا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۴۳۶)

(۱۰۷) یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خوشی اور غم کو ایسے ہی جانتا ہے جیسے میں اپنی خوشی و غم کو جانتا

ہوں کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۴۳۸)

(۱۰۸) کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میرے نزدیک اللہ سے زیادہ محبوب ہے تو اس کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۴۳۹)

(۱۰۹) ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا دوسرے نے اس سے معجزہ طلب کر لیا تو بھی مشائخ کے نزدیک اس دوسرے کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۴۴۸)

(۱۱۰) ایک شخص نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدو پسند کرتے تھے دوسرے نے کہا: لیکن میں پسند نہیں کرتا ہوں تو تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۴۴۸)

(۱۱۱) یہ کہنا کہ کاش رمضان کا روزہ فرض نہ ہوتا کفر ہے۔ (ایضاً ص: ۴۵۶)

(۱۱۳) ایک شخص نے جھوٹ کہا: دوسرے نے کہا: اللہ تمہارے جھوٹ میں برکت دے تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۴۰۹)

(۱۱۴) جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ ایمان اور کفر سب برابر ہے یا ہندو، مسلمان (دین کے لحاظ سے) سب برابر ہیں تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۴۶۷)

(۱۱۵) مطلقہ ثلاثہ کو کسی عالم نے یہ بتا دیا کہ تم شوہر اول کے لیے بغیر حلالہ کے حلال ہو سکتی ہو شرط یہ ہے کہ کافر یا مرتد ہو جاؤ پھر اسلام قبول کر لو تو عالم کی تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۴۶۸)

(۱۱۶) کافر نے اسلام قبول کیا اس پر ایک مسلمان نے کہا: جس دین پر تھے اس میں کیا پریشانی تھی کہ اس دین کو اختیار کر لیا تکفیر ہوگی۔ (ایضاً ص: ۴۶۸)

(۱۱۷) ایک شخص نے کہا: میرا دس درہم واپس کر دے ورنہ قیامت کے دن لے لوں گا اس پر اس نے کہا: دس درہم اور دیدے قیامت کے دن بیس درہم لے لینا اکثر مشائخ نے تکفیر کی ہے۔ (ایضاً ص: ۴۷۳)

(۱۱۸) کسی نے یہ کہا کہ فلاں آدمی مر گیا اور اپنی روح فلاں آدمی کو دے دیا ہے یہ کفر ہے کہ تنازع کا قول ہے۔ (ایضاً)

مآخذ و مراجع

نمبر شمار	کتاب	مؤلف	وفات
۱	القرآن الکریم	-	-
۲	الآتم	محمد بن ادریس شافعی	۲۰۴ھ
۳	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۴	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۵	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱ھ
۶	سنن الترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سوره ترمذی	۲۷۹ھ
۷	التوحید للما تریدی	ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی	۳۳۳ھ
۸	تفسیر ماتریدی	ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی	۳۳۳ھ
۹	الفرق بین الفرق	عبد القاهر بن طاهر بن محمد بغدادی اسفرائینی	۴۲۹ھ
۱۰	شرح صحیح بخاری لابن بطال	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلعت	۴۴۹ھ
۱۱	السنن الکبریٰ	ابو بکر احمد بن حسین خراسانی نیشاپوری	۴۵۸ھ
۱۲	جامع بیان العلم و فضله	ابو عمر یوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر نمری قرطبی	۴۶۳ھ
۱۳	التعذیل و التخرج	ابو الولید سلیمان بن خلعت نجیبی قرطبی اندلسی	۴۷۴ھ
۱۴	فیصل الشریقه بین الاسلام و الزندقه	ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی	۵۰۵ھ
۱۵	الاقتصاد فی الاعتقاد	محمد بن محمد غزالی طوسی	۵۰۵ھ
۱۶	شرح السنه للبیهقی	محیی السنه ابو محمد حسین بن مسعود فراء بیهقی شافعی	۵۱۶ھ
۱۷	خلاصه الفتاوی	طاهر بن احمد بن عبد الرشید بخاری	۵۴۲ھ
۱۸	المسل و النخل	محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر شهرستانی	۵۴۸ھ

١٩	فتاویٰ خانیه	علامہ فخر الدین اوز جندی	٥٩٢ھ
٢٠	الہدایہ فی شرح ہدایۃ المبتدی	ابوالحسن برہان الدین علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی	٥٩٣ھ
٢١	تلخیص ابلیس	عبدالرحمن بن علی المعروف بابن جوزی	٥٩٤ھ
٢٢	اعتقاد و فرق المسلمین والمشرکین	ابوعبداللہ فخر الدین رازی	٦٠٦ھ
٢٣	مقدمہ ابن صلاح	ابوعمر عثمان بن عبدالرحمن تقی الدین المعروف بابن الصلاح	٦٣٣ھ
٢٤	المنہاج شرح صحیح مسلم	ابوزکریا محمد بن الدین یحییٰ بن شرف نووی	٦٤٦ھ
٢٥	لسان العرب	محمد بن مکرم، ابوالفضل جمال الدین ابن منظور انصاری افریقی	٤١٤ھ
٢٦	مجموع الفتاویٰ	ابوالعباس تقی الدین، احمد بن عبدالحکیم بن تیمیہ حرانی حنبلی	٤٢٨ھ
٢٧	مختصر منہاج السنۃ	ابوالعباس تقی الدین، احمد بن عبدالحکیم بن تیمیہ حرانی حنبلی	٤٢٨ھ
٢٨	ایضاح الدلیل	ابوعبداللہ، محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ بن جماعہ کنانی حموی شافعی	٤٣٣ھ
٢٩	البحر المحیط فی التفسیر	ابو حیان محمد بن یوسف بن علی اندلسی	٤٢٥ھ
٣٠	تاریخ الاسلام	ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی	٤٢٨ھ
٣١	اعلام الموقعین عن رب العالمین	محمد بن ابی بکر شمس الدین ابن قیم جوزیہ	٤٥١ھ
٣٢	المواقف	عضد الدین عبدالرحمن بن احمد ابیجی	٤٥٦ھ
٣٣	الحدیثۃ الندیۃ	ابوالحسن تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی شافعی	٤٥٦ھ
٣٤	فتاویٰ السبکی	ابوالحسن تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی شافعی	٤٥٦ھ
٣٥	الجامع فی الفاظ الکفر	محمد بن اسماعیل بن محمود	٤٦٨ھ
٣٦	المواقفات	ابراہیم بن موسیٰ بن محمد بن غنایطی شافعی	٤٩٠ھ
٣٧	شرح المقاصد	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	٤٩١ھ
٣٨	شرح العقائد	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	٤٩١ھ
٣٩	شرح الطحاویۃ	محمد بن علاء الدین علی بن محمد ابن ابی العز جفی، اذری صالحي دمشق	٤٩٢ھ

٣٠	شرح العقيدة الطحاوية	محمد بن علاء الدين علي بن محمد ابن ابني العز حنفي، اذريعي صالح دمشقي	٨٩٢هـ
٣١	تاريخ ابن خلدون	عبد الرحمن بن خلدون	٨٠٨هـ
٣٢	شرح المواقف	علامه سيد شريف جرجاني	٨١٦هـ
٣٣	اثير الحق علي الخلق	ابن وزير محمد بن ابراهيم بن علي حسني قاسمي	٨٣٠هـ
٣٤	العواصم والقواصم	ابن وزير محمد بن ابراهيم بن علي حسني قاسمي	٨٣٠هـ
٣٥	فتح الباري شرح صحيح بخاري	ابو الفضل احمد بن علي بن حجر عسقلاني شافعي	٨٥٢هـ
٣٦	فتح القدير	كمال الدين ابن همام حنفي	٨٦١هـ
٣٧	التقدير والتخدير	ابو عبد الله شمس الدين محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن امير حاج حنفي	٨٤٩هـ
٣٨	شرح العقائد العنصرية	محقق جلال الدين دواني	٩٠٨هـ
٣٩	الدر المنثور في التفسير المأثور	امام عبد الرحمن بن ابني بکر، جلال الدين سيوطي	٩١١هـ
٥٠	البحر الرائق شرح كنز الدقائق	زين الدين بن ابراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم مصري	٩٤٠هـ
٥١	الاشباه والنظائر	زين الدين بن ابراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم مصري	٩٤٠هـ
٥٢	فتاوى حديثيه	علامه شهاب الدين ابن حجر عسقلاني حنفي	٩٤٣هـ
٥٣	الاعلام لقواطع الاسلام	علامه شهاب الدين ابن حجر عسقلاني حنفي	٩٤٣هـ
٥٤	شرح فقه اكبر	علي بن محمد هروي المعروف بملا علي قاري	١٠١٣هـ
٥٥	مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح	علي بن محمد هروي المعروف بملا علي قاري	١٠١٣هـ
٥٦	منح الروض	علي بن محمد هروي المعروف بملا علي قاري	١٠١٣هـ
٥٧	فيض القدير	زين الدين، عبد الرؤف بن تاج العارفين حدادي مناوي قاهري	١٠٣١هـ
٥٨	اقاويل الثقات	مرعي بن يوسف بن ابني بكر بن احمد كرمي مقدسي حنفي	١٠٣٣هـ
٥٩	مكتوبات رباني	محمد الف ثاني شيخ احمد سرهندي فاروقي	١٠٣٣هـ
٦٠	شرح سفر السعادة	شيخ عبد الحق محدث دهلوي	١٠٥٢هـ

۶۱	الدر المختار شرح تنویر الابصار	محمد بن علی علاء الدین حصکفی حنفی	۱۰۸۸ھ
۶۲	فتاویٰ عالمگیری	شیخ نظام الدین برہانپوری	۱۰۹۲ھ
۶۳	حاشیہ السنہ علی سنن ابن ماجہ	محمد بن عبدالبہادی سندھی	۱۱۳۸ھ
۶۴	کشف الخفا ومزیل الالباس	ابوالفداء اسماعیل بن محمد بن عبدالبہادی عجلونی دمشقی	۱۱۶۲ھ
۶۵	حجتہ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم دہلوی	۱۱۷۶ھ
۶۶	لوامع الانوار السببۃ	شمس الدین، ابو العول محمد بن احمد بن سالم سفاری بنی	۱۱۸۸ھ
۶۷	فتاویٰ عربیہ	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۶۸	المعتقد المعتقد	علامہ فاضل رسول بدایونی	۱۲۸۹ھ
۶۹	قرۃ عین الاختیار تکملۃ رد المحتار علی الدر المختار	علاء الدین محمد بن عمر المعروف بابن عابدین حسنی دمشقی	۱۳۰۶ھ
۷۰	سیرۃ النعمان	مولانا شبلی نعمانی	۱۳۳۴ھ
۷۱	سبحان السبوح	مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۷۲	فتاویٰ رضویہ	مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۷۳	اعتقاد الاحباب	مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۷۴	رماح القہار علی کفر الکفار	مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۷۵	المستند المعتمد حاشیہ المعتقد	مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۷۶	سل السیوف البندیہ	مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۷۷	انکفار الملحدین فی ضروریات الدین	محمد انور شاہ کشمیری ہندی	۱۳۵۳ھ
۷۸	العرف الثغری شرح سنن الترمذی	محمد انور شاہ کشمیری ہندی	۱۳۵۳ھ
۷۹	فیض الباری علی صحیح البخاری	محمد انور شاہ کشمیری ہندی	۱۳۵۳ھ
۸۰	تحفۃ الاحوذی	ابوالعلاء محمد بن عبد الرحمن بن عبد الرحیم مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
۸۱	فتاویٰ حامدیہ	مولانا حامد رضا قادری بریلوی	۱۳۶۲ھ

٨٢	الصارم الرباني	مولانا حامد رضا قادري بريلوي	١٣٦٢هـ
٨٣	بها و شريعت	صدر الشريعة مولانا امجد علي	١٣٦٤هـ
٨٤	المعجم الوسيط	احمد الزيات	١٣٨٨هـ
٨٥	سوال عن التقليد في العقيدة	ابو المنذر شقيق علي	١٣٩٣هـ
٨٦	ملفوظات مولانا امام احمد رضا	مولانا مصطفى رضا خاں قادري	١٤٠٢هـ
٨٧	مرعاة المفاتيح شرح مخدات المصانيف	عبيد الله بن محمد عبد السلام بن خان محمد مبارك پوري	١٤١٢هـ
٨٨	نزهة القاري	مفتي شريف الحق امجدى	١٤٢١هـ
٨٩	معجم اللغة العربية	احمد مختار عبد الحميد عمر	١٤٢٢هـ
٩٠	دراسات في الفرق الاسلامية	عرفان عبد الحميد	١٤٢٨هـ
٩١	مجموع الرسائل والمسائل	عبد الله بن عبد الرحمن بن جبرين	١٤٣٠هـ
٩٢	حديث افتراق امت	مولانا اسيد الحق قادري بدايوني	١٤٣٥هـ
٩٣	شرح حديث الافتراق	يوسف بن محمد غفيس	باحيات
٩٤	نواقض الايمان الاعتقادية	محمد بن عبد الله بن علي ويثي	باحيات
٩٥	التكفير حكمه وضوابطه	عبد الله فهد حبيشي	باحيات
٩٦	نتائج الجوث	عثمان علي حسن	باحيات
٩٧	شرح كتاب الاباينة من اصول الديانة	ابو الاشبال حسن زبيري منصورى مصرى	باحيات
٩٨	المعجم في بيان منهج	شيخ علي بن حسن علي اثرى	باحيات
٩٩	الرسائل والرسالات	عمر بن سليمان اشقر	باحيات